فہرست

	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	1	پیش لفظ	5
	2	عرض ناشر	9
	3	تقریظ حافظ تصدیق حسین	12
	4	خطبہ	13
	5	مجلس اول	15
	6	مجلس دوئم	23
	7	مجلس سوئم	35
	8	مجلس چہارم	48
	9	مجلس پانچویں	64
	10	مجلس چھٹی	80
	11	مجلس ساتویں	93
	12	مجلس آٹھویں	104

حدیث عشق دو باب است کربلا و دمشق
یکے حسینؑ رقم کرد و دیگرے زینبؑ

مجالس عزائے

بنت زہراؑ

مجموعہ تقاریر مجموعہ تقاریر مجموعہ تقاریر

حجتہ الاسلام سرکار علامہ
شیخ شبیر حسن نجفی اعلی اللہ مقامہ

ناشر
ذاکر نذیر حسین کربلائی

syed Ali

Digitally signed by syed Ali
DN: cn=syed Ali, c=PK, o=Sabeel-e-Sakina, ou=Sabeel-e-Sakina, email=zulfiqarrr@gmail.com
Date: 2008.03.16 03:25:40 +05'00'

کتاب	:	مجالس عزائے بنت زہراؑ
تقاریر	:	علامہ شیخ شبیر حسن نجفی اعلی اللہ مقامہ
پروسیسنگ	:	عارف حسن جعفری
اشاعت اول	:	ایک ہزار
کیلی گرافی	:	گلوب کمپیوٹر حفیظ سنٹر گلبرگ لاہور ویژن کمپیوٹر سنٹر۔
پریس	:	ارشد سلیمان اینڈ بلال پرنٹرز
ترتیب۔ناشر	:	ذاکر نذیر حسین کربلائی
قیمت	:	60روپے۔

ملنے کا پتہ

(۱) سبحانی سبحانی پبلی کیشنز گلی نمبر 15 مکہ کالونی گلبرگ 3 لاہور۔

(۲) گلستان زہرا پبلی کیشنز 26۔ایبٹ روڈ لاہور

پیش لفظ

مولانا شیخ شبیر حسن نجفی مرحوم اعلی اللہ مقامہ' کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ کوپاگنج ضلع اعظم گڑھ (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں کے دینی مدارس میں حاصل کی پھر مدرستہ الواعظین لکھنو سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نجف اشرف تشریف لے گئے چھتیں برس تک باب مدینہ العلم کے زیر سایہ علم دین کی تبلیغ و ترویج کرتے رہے۔ آپ کی علمی کاوشوں کو دیکھتے ہوئے آیت اللہ سید محسن الحکیم اعلی اللہ مقامہ نے آپ کو اپنا وکیل خاص مقرر فرمایا۔ جس کی پاداش میں صدام نے آپ کو زندان میں ڈالا اور کئی مرتبہ زندان میں مولانا کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی لیکن باب مدینہ العلم کو آپ سے دین کی خدمات لینا مقصود تھی۔ لہذا ایسے اسباب مہیا فرمائے کہ آپ معجزانہ طور پر عراق سے بچ کر اقلیم امامت کے آٹھویں تاجدار امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ گئے۔ تقریبا ۲۴ برس تک آستانہ قدس رضوی کے مقام حر عاملی میں دین کی ترویج کرتے رہے اور دنیا بھر کے زائرین کے لئے مجالس امام مظلوم برپا کرتے رہے۔ آپ کے ہزاروں طلباء نجف اشرف اور مشہد مقدس سے فارغ التحصیل ہو کر دنیا کے مختلف مقامات پر دین محمدؐ و آل محمدؐ کی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

آپ کی علمی کاوشوں کو دیکھتے ہوئے حکومت ایران نے آپ کو ایک خاص مقام اور مجتہد کا درجہ دیا۔ عربی' فارسی اور اردو زبان میں آپ کے علمی

دروس مشہد مقدس میں بہت سے طلباء کے پاس محفوظ ہیں۔ آپ کی لائبریری ہندوستان' نجف اشرف اور مشہد مقدس میں موجود ہے۔ جس میں ایسی نادر نایاب کتب بھی موجود ہیں جو کہ کسی بھی لائبریری میں موجود نہیں۔ مولانا شیخ شبیر حسن نجفی مرحوم نے ساتویں دہائی میں پاکستان آنا شروع کیا۔ پہلی بار آپ عراق سے تشریف لائے پھر کوپانگج اور اس کے بعد مشہد مقدس سے تشریف لاتے رہے۔ تقریباً چودہ برس تک آپ نے عزاخانہ گلستان زہرا علیہ السلام میں مجالس عزا سے خطاب فرمایا۔ اس کے علاوہ پاکستان کے بڑے شہروں میں بھی خطاب فرمایا۔ ہر سال آپ کا قیام عام طور پر دواڑھائی ماہ رہا کرتا تھا اور لاہور ہی کو مرکز رہائش قرار دیتے تھے اس دوران آپ مسلسل درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھتے تھے اور ہزاروں مومنین آپ سے فیضیاب ہوتے۔ مولانا مرحوم کا مجالس پڑھنے کا اپنا ایک خاص انداز تھا جو کہ زیادہ تر دروس پر مشتمل ہوتا تھا۔ فضائل و مصائب کے بیان کے ساتھ ساتھ اعمال و مسائل دینیہ پر بہت زور دیتے۔ نماز' روزہ' تلاوت قرآن اور اہمیت حصول علم دین ان کا خاصہ تھا۔ مولانا مرحوم نے کبھی بھی محافل و مجالس کے لئے معاوضہ طے نہیں کیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بعض جگہ یہ دیکھتے ہوئے کے کسی مومن کی معاشی حالت درست نہیں اور اس وجہ سے وہ مجالس نہیں کروا رہے تو ان کو خود اصرار کر کے عشرہ پڑھا اور کوئی معاوضہ اگر دیا بھی گیا تو خوش اسلوبی سے واپس کر دیا۔ ان کے کافی دروس کی ریکارڈنگ میرے پاس محفوظ ہے۔

مومنین کے اصرار پر ان کا ایک عشرہ مجالس شائع کیا جا رہا ہے اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ جو کچھ اور جس طرح آپنے بیان فرمایا۔ بعینہ اس کو پیش کیا جائے تاکہ مومنین اس سے استفادہ کر سکیں۔ اگر اس کوشش نے مقبولیت

حاصل کی تو انشاء اللہ باقی مجالس کو بھی پیش کیا جائے گا۔ یاد رہے کہ جناب علامہ حافظ کفایت حسین صاحب قبلہ مرحوم کے مجموعہ تقاریر کا نام کفایت الواعظین مولانا شبیر حسن نجفی مرحوم نے ہی تجویز فرمایا تھا۔ مولانا مرحوم کی تقاریر کو ٹیپ سے تحریر میں لانے کے لئے مولانا سید ابو رضا زیدی نے جو کاوشیں کیں وہ آپ کے سامنے ہیں میں ان کا انتہائی ممنوں ہوں۔ نہ صرف تحریر بلکہ پروف ریڈنگ اور درستگی میں بھی۔ آپ نے بہت محنت کی اس کا اجر تو سرکار جناب سیدہؑ سے ہی ملے گا۔ لیکن پھر بھی اگر کمپوزنگ میں کوئی کمی رہ گئی ہو تو دامن عفو میں جگہ دیں۔

۱۹۹۵ء میں ہمارے اہل خانہ اور کچھ دوست واحباب زیارات عراق و ایران کے لئے تشریف لے گئے واپسی پر مشہد مقدس میں مولانا شیخ شبیر حسن نجفی مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوئے بہت اصرار کرنے پر آپ نے عشرہ محرم گلستان زہراؑ میں پڑھنے کا وعدہ فرمایا۔ لیکن افسوس وقت نے وفا نہ کی۔ ہمارا قافلہ ۲۳ ستمبر ۱۹۹۵ء کو واپس لاہور پہنچا۔ چند ہی دونوں کے بعد الہ آباد سے مولانا رضوان حیدر رضوی صاحب نے فون پر مولانا کے انتقال کی روح فرسا خبر دی۔

حکومت ایران نے مولانا مرحوم کی میت کو ہندوستان سے مشہد لے جانے کا انتظام کیا اور آپ کو انتہائی عزت واحترام کے ساتھ صحن امام رضا علیہ السلام علیہ السلام میں پورے اعزاز کے ساتھ دفن کیا گیا۔ چالیس روز تک مجالس برپا ہوئیں اور قرآن خوانی ہوتی رہی۔ میرے بڑے بھائی خلیفہ سید حیدر مہدی اور چھوٹے بھائی خلیفہ سید سجاد مہدی جنازے میں شریک ہوئے اور خلیفہ خاندان کی نمائندگی کی گئی۔

مولانا شیخ شبیر حسن نجفی مرحوم کو حافظ الحدیث بھی کہا جاتا ہے۔ نجف

اشرف اور مشہد مقدس ہی نہیں بلکہ کہیں بھی جب مومنین یا علماء کو حدیث و نہج البلاغہ کے مسائل درپیش ہوتے تو وہ آپ سے رجوع کرتے۔ ان کی مجالس کا طرہ امتیاز اقوال و احکامات آئمہ طاہرین و معصومین علیہم السلام تھے اور اس پر بجا طور پر فخر فرماتے تھے۔ نجف اشرف کے چھٹنے کو بارہا یاد کرتے اور اکثر آبدیدہ ہو جاتے تھے مولانا مرحوم اتنے علم و قابلیت کے باوجود انتہائی سادہ اور منکسر المزاج شخصیت کے حامل تھے۔ مومنین کو محافل و مجالس میں آنے والے حالات سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ ان کے حلقہ میں بلا تخصیص ہر فرقہ کے لوگ تھے۔ برادران اہل سنت بھی ان سے فیض حاصل کرنے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔

آخر میں ملتمس ہوں کہ مولانا شیخ شبیر حسن نجفی مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے ایک بار سورہ فاتحہ اور تین بار سورہ توحید تلاوت فرمائیں۔

والسلام

محتاج دعا

ناشر خلیفہ سید حسن مہدی

بشکریہ گلستان زہراؑ پبلی کیشنز

۲۶۔ ایبٹ روڈ لاہور۔

از کتاب 'مجالس شبیر'

عرض ناشر

علامہ شیخ شبیر حسن نجفی اعلیٰ اللہ مقامہ ٗ کی ذات والا صفات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ خاندان خلیفہ سادات کے چشم وچراغ جناب سید حسن مہدی صاحب۔ جو علامہ صاحب مرحوم کے تاحیات قیام لاہور میں ان کے میزبان رہے۔ انہوں نے علامہ صاحب مرحوم کا ایک مجموعہ تقاریر ''مجالس شبیر'' کے عنوان سے ۱۹۹۷ء میں شائع کیا۔ اس میں ان کا مفصل تعارف موجود ہے اور ان کی اجازت سے میں وہ تعارف من وعن زیر نظر کتاب میں شائع کر رہا ہوں۔

علامہ صاحب کی لاتعداد تقاریر عشرہ مجالس اور انفرادی مجالس کی صورت میں موجود ہیں۔ اور مذکورہ مجموعہ کے علاوہ مجھے معلوم نہیں کہ کوئی تقریریں شائع ہوئی ہیں یا نہیں۔ بلاشبہ یہ تقاریر ہمارے پاس علامہ صاحب کا علمی ورثہ ہے۔ اس کتاب کے شائع کرنے کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ علامہ صاحب مرحوم نے لاہور آمد کے دوسرے سال ۱۹۷۹ء میں مجالس اربعین سید الشہداء علیہ الصلوٰۃ واسلام کا چوتھا عشرہ امام باڑہ سید دولت علی شمسی مرحوم بازار سریانوالا میں پڑھا۔ ان مجالس کا عنوان خود انہوں نے بطور خاص ''آیت

الکرسی' قرار دیا۔ اسکی وجہ معلوم نہیں کہ یہ وقت کا تقاضا تھا یا کچھ اور۔ ہاں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس ملحدانہ دور میں علامہ صاحب نے یہ ضروری سمجھا ہو کہ ذات احدیت کی معرفت کو اجاگر کیا جائے کہ بطور دینی فریضے کے اس کی اشد ضرورت ہے تاکہ عقائد میں اگر خالص توحید کی معرفت ہو جائے تو آگے چل کر نبوت اور ولائیت بھی خالص ہی حاصل ہو گی۔

یہی وہ بنیادی فکر تھی جس نے مجھے علامہ صاحب مرحوم کے ان علمی واعلیٰ افکار کو آپ تک پہنچانے کی تحریک دی اور اس لئے بھی کہ ذات احدیت کی معرفت پر مسلسل آٹھ مجالس اس عالمانہ فکر میں شاید کہیں اور آسانی سے نہ مل سکیں' اس لحاظ سے یہ نایاب اور یادگار علمی اثاثہ ثابت ہو سکتا ہے۔ کہ علامہ صاحب مرحوم اب ہم میں موجود نہیں ہیں۔

جیسا کہ آپ کو علم ہے آڈیو کیسٹ سے مسودہ تحریر کرنے میں ہجے اور تلفظ خصوصاً عربی زبان کے الفاظ کی صحت کے ساتھ قلم بند کرنا آسان نہیں جبکہ نعروں کی گونج میں الفاظ دب جاتے ہیں۔ پھر 'س۔ ص'' ت۔ ط'' ک۔ ق' وغیرہ میں تمیز کرنا بھی ضروری ہے۔ خدا کا شکر کہ ان مراحل سے میں حتی الامکان صحت سے گزر گیا۔ آخری مراحل میں جناب سید محمد سبطین کاظمی صاحب آف گلوب کمپیوٹر سائنسز نے میری مدد کی۔ اور اس کتاب کی کمپوزنگ بھی انہوں نے کی۔ جس کے لئے میں ان کا ممنون ہوں۔

ایک بات جو اس کتاب میں خصوصاً آپ کو نظر آئے گی وہ یہ کہ جہاں جہاں قرآنی آیات کے حوالے دیئے گئے ہیں یا ان کے ترجمے سے کام لیا گیا ہے' ان حوالہ جات کو خطوط وحدانی میں ان کا پارہ۔ رکوع اور سورہ درج کر دیا گیا ہے تا کہ قاری کو حوالہ کی تلاش میں سہولت ہو۔ اس بات کی بھرپور کوشش کی گئی ہے

کہ اغلاط سے بچا جائے اس کے باوجود جہاں کوتاہی ہوئی ہو اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ امید ہے آپ علامہ صاحب مرحوم کی اس علمی کاوش کو نظر استحسان سے دیکھیں گے۔ آخر میں آپ سے التماس ہے کہ علامہ شبیر حسن نجفی مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے ایک مرتبہ سورۃ فاتحہ اور تین مرتبہ سورہ اخلاص کی تلاوت فرمائیں۔

لاہور ۱۸۔ذوی الحجہ ۱۴۲۰ھ
بمطابق ۲۰۰۰۔۳۔۲۵

فقط والسلام
احقر ذاکر نذیر حسین کربلائی عفی عنہ'
پسر ذاکر فیروز علی کربلائی مرحوم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی خَیۡرِ خَلۡقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ آلِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ ۝

تقریظ

میں نے آیت الکرسی کے عظیم موضوع پر مولانا شبیر حسن نجفی اعلیٰ اللہ مقامہ' کی تقاریر کا جستہ جستہ مطالعہ کیا ہے۔ خدا تعالیٰ انہیں اس میں اجر عظیم سے نوازے۔ اور مومنین کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

حافظ تصدق حسین

اسلام پورہ لاہور۔

۲۷ ذوی الحجہ ۱۴۲۰ھ

خطبہ

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ لعلی العظیم
حسبنا اللہ و نعم الوکیل نعم المولی و نعم النصیر۔
بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ رب العالمین بارئی الخلائق
اجمعین و باعث الانبیا و المرسلین
الذی بعد فلایریٰ وقرب فشہدالنجویٰ
خلق الخلائق بقدرتہٖ و نشر الریاح
برحمتہٖ وو تد بالصخور میدان ارضہ الصلاۃ
والسلام علی العبد الموید والرسول المسدد
المصطفی الامجد المحمود الاحمد
سیدنا و شفیع ذنوبنا و طبیب نفوسنا
ابی القاسم محمدؐ و الہ الطیبین الطاہرین
المعصومین الھداۃ المہدیین
واللعنۃ الدائمۃ الباقیۃ
علی اعدائھم اجمعین من الاٰن
الیٰ یوم الدین اما بعد فقد

قال الله تعالی فی کتابه المجید

وفرقان الحمید بسم الله الرحمن الرحیم الله لا اله الا هو الحی القیوم لا تاخذه سنة ولا نوم له مافی السموت وما فی الارض من ذالذی یشفع عنده الا باذنه یعلم مابین ایدیهم وما خلفهم ولا یحیطیون بشیء من علمه الا بما شاء وسمع کرسیه السمت والارض ولا یئوده حفظهما وهو العلی العظیم۔

نوٹ:

آیت الکرسی کی تلاوت سے پہلے یہ خطبہ علامہ صاحب مرحوم نے ہر مجلس سے قبل بیان فرمایا۔ لہذا اسے شروع ہی میں نقل کر دیا ہے۔

پہلی مجلس

....

حضور صادق آل محمدؑ کا فرمان ہے کہ ہر چیز کی ایک بلندی ہے' چوٹی ہے' اور آیت الکرسی قرآن پاک کی چوٹی ہے' اور ہونا بھی چاہئے کہ یہ آخری منزل ہے۔ کیوں نہ ہو اس کی ابتداء توحید ہے۔

اللہ۔ اسم جلالہٗ' اسم عظمت' خالق ارض و سماء کا نام۔ اس میں اختلاف ہے کہ اللہ اسم ہے یا علم۔ اسم اور علم میں فرق ہے۔ اسم عام' علم خاص۔ اسم کا اطلاق' اعلام اور غیر اعلام دونوں پر ہو سکتا ہے' اور علم خاص' کسی شخص معین کا نام دیا جائے تو اسے علم کہتے ہیں۔

اللہ' اسم جلالہٗ ہے۔ خالق ارض و سماء کا اسم یا علم۔ یہ نرا اسم۔ اس کا مفہوم کل ہے یا جزوی اس میں اختلاف ہے۔

اللہ' اس اسم کا اطلاق غیر خدا پر نہیں ہو سکتا۔ اللہ کسی کا نام نہیں۔ اللہ اس ذات کا نام ہے جس سے کسی صفت کمال کی نفی نہ ہوتی ہو۔ کمال کی کوئی حد ہے ؟ جتنے کمال ہوں گے اتنی صفات ہوں گی۔ ہر کمال کے لئے ایک اسم چاہئے۔ کمال بھی لا متناہی تو نام بھی لا متناہی۔ ایک اعتبار سے محدود بھی۔ ہزار یا ہزار سے زیادہ۔ یہ اسماء آیات سے مل سکتے ہیں یا آئمہؑ کی دعاؤں میں سے یہ اسماء مل سکتے ہیں۔

اللہ لا الہ الا ھو

لا۔ حرف نفی۔ جنس الہٗ کی نفی کرتا ہے۔ جنس معبود کی نفی۔

الہ۔ معبود جس کی عبادت ہو اسے معبود کہتے ہیں۔ الہٗ اسم مفعول' عابد اسم فاعل عبادت کرنے والا

الا ۔ حرف استثنی۔ موثر نہیں۔ کوئی معبود نہیں۔ سوائے اللہ کے۔ جب تک اس لا کے جھاڑو سے جتنے معبود ہیں صاف نہ کر دیئے جائیں۔ اصلی نقلی جھوٹا بڑا۔ خدا نہ خدا زادہ۔ یعنی جو کسی کے ذہن میں بطور معبود آجائے۔

لفظ الہٰ کا تعلق معبود سے ہے۔ جس کی عبادت ہو۔ چاہے حق کے ساتھ چاہے باطل کے ساتھ۔ یعنی معبود کی دو قسمیں ہوئیں۔ اول معبود حق، دوئم معبود باطل۔ اس طرح امام حق، امام باطل۔ جب معبود کی دو قسمیں ہو سکتیں ہیں تو امام کی دو قسموں میں تعجب ؟ نائبین امام بھی ہیں۔ حق و باطل دونوں کے ۔ معبود حق اور معبود باطل۔ قرآن کریم میں معبود باطل پر لفظ الہٰ کا اطلاق۔ پہلی آیت قالوا یا موسی اجعل لنا الھا اے موسیٰ ہمارے لئے ایک معبود بنا دیجئے۔

نبی سے کہا۔ بنی اسرائیل کو جو چاہے کہہ لیجئے مگر انہوں نے خود نہیں بنایا۔ نبیؑ سے درخواست کی۔ جو بنایا جائے معبود نہیں نہ ہی مستحق عبادت ہے۔

دوسری آیت اریت من اتخذا الھا ۔ (پارہ نمبر۱۹۔ رکوع ۲ سورہ الفرقان) کیا تم نے نہیں دیکھا اس شخص کو جس نے اپنا معبود اپنی خواہش کو بنا رکھا ہے۔

خواہشات نفسی کو اپنا معبود بنایا۔ حدیث میں ہے کہ ایک زمانہ ایسا ہو گا۔ ان کے پیٹ ان کے معبود ہوں گے' اور عورتیں ان کی قبلہ ہوں گی۔ پیٹ بھرنا چاہئے۔ چاہے بیت المال خالی رہے۔ نمرود کو شرپسندوں نے مشورہ دیا کہ ابراہیمؑ کو جلا دو۔ قدیم زمانے سے شرپسند جلانے کا مشورہ دیتے رہے ہیں یا جلاتے رہے ہیں۔

تیسری آیت۔ قالوا حرقوہ والنصروا الھتکم ۔ (پارہ ۱۷ رکوع ۵ سورہ الانبیاء) ابراہیمؑ کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی نصرت کرو۔

اتنے بے بس اور معبود۔ تین آیات اور ایک حدیث سے ثابت ہوا کہ

معبود کا اطلاق معبود باطل پر بھی ہوتا ہے۔

ایک اور حدیث لفظ معبود پر "زہرۃ الریاض" سے۔ ابو جہل کی سرکردگی میں کفار مکہ کا ایک اجتماع ہوا۔ اس غرض سے کہ جناب رسالتمابؐ کو قتل کر دیا جائے۔ اس اجماع میں شیطان بھی آ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ آنحضرتؐ کو قتل نہیں کر سکیں گے۔ اس نے ابو جہل کو مشورہ دیا کہ تمہارا جو معبود ہے بت۔ یہ ہیرے جواہرات سے مرصع تھا۔ اس کو جناب رسالتمابؐ کے سامنے لا کر رکھو' اور اس کے آگے سجدہ کرو۔ اس سے ان کی دل آزاری بھی ہو گی اور ہو سکتا ہے کہ وہ ایسے کلمات کہے جس سے نعوذ باللہ ان کی سبکی ہو۔ اس "مادہ جہل" کی سمجھ میں یہ بات آ گئی۔ اس نے اپنا بت "ماہ عقل" کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ کفار جمع ہو گئے۔ اب وہ ابو جہل کہتا ہے۔ الٰہی میرے معبود ہم تیری عبادت کرتے ہیں' اور ہم تیرا تقرب حاصل کرتے ہیں اور یہ پیغمبرؐ آپ کے سبب سے ہم کو برا بھلا کہتے ہیں۔ حالانکہ خلق عظیم نے کبھی گالی تو درکنار کسی کو برا بھلا بھی نہیں کہا۔ آپ ہماری مدد کیجئے۔ ابو جہل خاموش ہوا تو بت میں حرکت پیدا ہوئی اور کلام کرنا شروع کر دیا' اور پیغمبرؐ اسلام کی شان میں گستاخی کرنا شروع کر دی' وہ شیطان اس کے اندر سے بول رہا تھا۔ پیغمبرؐ کو دکھ ہوا وہ غیض و غضب کے عالم میں اٹھ کر آ گئے۔ اور حضرت خدیجہؓ کے گھر میں آ کر دروازہ بند کر لیا۔ تھوڑی ہی دیر میں دق الباب ہوا۔ حضور نے فرمایا کہ آ جاؤ ایک نوجوان ہاتھ میں تلوار لے کر اندر حاضر ہوا۔ سلام کے بعد عرض کی کہ میں قوم جن سے ہوں۔ اور اتنی طاقت رکھتا ہوں کہ عرب کے دو مشہور پہاڑوں کو اکھیڑ کر دریا میں ڈال سکتا ہوں۔ میں فلاں جزیرے میں تھا کہ حضرت جبرائیلؑ میرے پاس آئے۔ مجھے یہ تلوار دی اور کہا کہ فلاں شیطان اس بت کے اندر بول رہا تھا میں نے اس کا تعاقب کر کے زمین کے چوتھے پردے میں پکڑ کر ہلاک کر دیا۔ اب آپ حکم

دیں کہ ان کفار کو کیا سزا دوں۔ حضو ر نے فرمایا کہ تو اس وقت اپنے مقام پر چلا جا۔ مجھے صرف اللہ کی مدد کی ضرورت ہے۔

پیغمبر اسلامؐ نے یہ گوراہ نہیں فرمایا کہ آدمیوں پر جن کو مسلط کر دیا جائے۔ خواہ وہ کفار کیوں نہ ہوں۔ یہی راز تھا کربلائے معلّٰی میں کہ حضرت امام حسینؑ نے ذعفر جن کی مدد کو قبول نہیں فرمایا۔ جب ناناؐ نے گوارہ نہیں فرمایا تو نواسہ کیسے گوارہ کرے گا۔ اس جن نے عرض کیا کہ میری ایک خواہش ہے وہ پوری فرمائیں۔ کہ کل آپ پھر وہاں تشریف لے جائیں اور وہ پھر وہی حرکت کریں گے۔ آپ نے یہ خواہش مان لی اور دوسرے دن وہاں تشریف لے گئے۔ پھر ابو جہل نے کفار کے مجمع میں اسی طرح اس بت کی عبادت کی اور وہی کلمے دہرائے۔ اب اس بت میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ بولنے لگا اور کہا "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" میں بت ہوں۔ نہ میں کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہوں اور نہ نفع۔ ویل۔ جہنم اس کے لئے ہے کہ جو میری عبادت کرے اللہ کو چھوڑ کر۔ "ویل" جہنم کی ایک وادی ہے اور قرآن میں

ا۔ ہر عیب لگانے والے پر۔ طعنہ دینے والے کے لئے ویل ہے۔

۲۔ ان نمازیوں کے لئے ویل ہے جو نماز میں سستی کرتے ہیں۔ یعنی ابھی وقت ہے' کام کر لیں پھر پڑھ لیں گے۔ حتیٰ کہ وقت گذر جائے وغیرہ۔

۳۔ کم تولنے والوں اور کم ناپنے والوں کے لئے ویل ہے۔ یعنی ڈنڈی مارنے والوں کے لئے ویل کا ڈنڈا ہے۔

ایک سفیر ایران یا کیہان سے حضورؐ کی خدمت میں آیا اس کے داڑھی نہ تھی۔ حضورؐ نے ملنے سے انکار کر دیا۔ اس نے سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ داڑھی نہ ہونے کی وجہ سے حضور نے ملاقات سے انکار فرمایا ہے۔ اس نے حاضر ہو کر عرض کی کہ حضورؐ میرے رب نے مجھے داڑھی منڈوانے کا امر کیا

ہے۔ تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے داڑھی رکھنے کا حکم دیا ہے (داڑھی کا وجوب ثابت ہے) اس واقعہ سے بھی ثابت ہوا کہ رب یعنی الہ کا اطلاق معبود باطل پر بھی ہوتا ہے۔ الحاصل

کلمہ توحید جو آیت الکرسی کا شروع ہے۔ عبادات کی جڑ ہے۔ اگر توحید ٹھیک ہو گئی تو تمام عبادات درست اور جنت تک کے تمام مسائل حل ہو گئے۔ اگر جڑ خشک ہو جائے تو شاخیں سڑ جائیں گی۔ اس طرح اگر توحید غلط ہو گئی تو تمام عبادات ختم۔ حدیث میں ہے کہ جس نے لا الہ الا اللہ پڑھا جنت میں گیا۔ حضورؐ کی خدمت میں ایک اعرابی نے عرض کی کہ جنت کی قیمت کیا ہے آپ نے فرمایا کلمہ توحید' اخلاص کے ساتھ۔ اس نے پوچھا اخلاص کیا ہے۔ آپ نے فرمایا میرے اہل بیت کی مودت ۔ امام رضا علیہ السلام والا واقعہ کہ "انا من شروطھا" شرط صحت جیسے طہارت نماز کے لئے۔ پایہ چھت کے لئے۔ شرط کامل جیسے مسجد کے ہمسائے کی نماز نہیں مگر مسجد میں۔ نماز گھر میں بھی ہے مگر مسجد میں ثواب بڑھ گیا۔

معصوم کا شرط ہونا شرط صحت ہے۔ یعنی توحید وجود میں نہیں آسکتی جب تک ان کی مودت دل میں نہ آئے۔ جب تک ان کی ولایت کا اقرار نہ کیا جائے۔ مثال حضرت نوحؑ کشتی پر سوار ہیں۔ اپنے بیٹے سے کہا کہ کشتی پر سوار ہو جاؤ۔ اس نے کہا میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا کہ آج اس کشتی کے سوا کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔ حضرت رسولؐ خدا امت کے باپ ہیں۔ فرمایا میں اور علیؑ امت کے باپ ہیں۔ ازواج رسولؐ امت کی مائیں ہیں۔ اور یہ جو فتنے اٹھتے ہیں یہ ہیں طوفان۔ جب تک شیطان کا وجود رہے گا یہ فتنے اٹھتے رہیں گے۔ یہ فتنے طوفان نوحؑ سے زیادہ خطرناک ہیں آنحضرتؐ کا یہ فرمان کہ میرے اہل بیت کشتی نوحؑ کی مثال ہیں۔ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ

طوفان آپ کی زندگی کے بعد بھی آئیں گے۔ جب طوفان ہیں تو پھر کشتی کی بھی ضرورت ہے۔

سفینہ نجات حسینؑ جہاں بڑی کشتی نہ پہنچ سکے وہاں چھوٹی کشتی بھیجتے ہیں۔ اہل بیت کو چھوڑنے کا نتیجہ کربلا میں دیکھیں۔ جس پتھر کو اٹھا کر دیکھیں خون نکلتا ہے۔ حسینؑ نے جو شہادت کو قبول فرمایا ہے تو صرف اس لئے جو آیت الکرسی کے شروع میں ہے۔ اللہ لا الہ حقا کہ بنائے لا الہ۔ صرف توحید بچانے کے لئے نظام عالم کا قیام ہی توحید پر ہے۔ اگر توحید کو دنیا سے اٹھالیا جائے تو عالم فنا ہو جائے۔ کیوں ؟ اس لئے کہ تمام مخلوقات کو فطرت توحید پر خلق کیا۔ جب توحید مٹ رہی ہو تو پھر نبی اور امام کیا کرتے ؟ حضرت ابراہیمؑ نے آگ میں ڈالا جانا قبول کر لیا توحید ختم ہو رہی تھی اس کے بچانے کے لئے۔ حسینؑ میدان کربلا میں آ گئے۔ میرا یہ چیلنج ہے کہ حسینؑ نے زندگی میں جیسا توحید کا درس دیا۔ شہادت کے بعد بھی توحید کا درس قبر حسینؑ پر ملتا ہے۔ حسینؑ کی زیارت اس کلمہ سے شروع ہوتی ہے جس سے آیت الکرسی شروع ہوتی ہے۔ اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا و سبحان اللہ بکرۃ و اصیلہ زیارت سید الشہداء پڑھنے کے بعد دعا ہے۔ اے میرے معبود میں نے نماز تیرے لئے پڑھی۔ رکوع میں نے تیرے لئے کیا۔ سجدہ تیرے لئے کیا۔ کیونکہ نماز رکوع سجدہ سوائے تیرے کسی کے لئے نہیں۔ تیرے سوا اس کے لائق کوئی ذات نہیں۔ ایسا درس اور کس نے دیا ہے ؟ خون حسینؑ میں توحید ہے۔ حسینؑ کے نام ہی سے کلمہ باقی ہے۔ حسینؑ نے صبح عاشور اپنے جوان فرزند کو جو اذان کا حکم دیا یہ اسی اذان کا صدقہ ہے کہ دنیا میں توحید کا کلمہ باقی ہے۔ حسینؑ اپنی جان دے رہے ہیں۔ اب آپ آیئے میرے ساتھ کربلا میں کہ آج شب جمعہ ہے۔ تمام ارواح انبیاء کربلا میں موجود ہیں۔ اب فرمایئے کہ زائرِ حق،

رکھتا ہے کہ نہیں کہ اب اسے سلام کہلوایا جائے زیارت کے بعد یہ درس ہے۔

زینبؑ جو عالمہ غیر معلمہ ہیں انہوں نے ایک درس دیا ہے کربلا میں۔ وہ کیا ہے۔ دیکھئے کچھ ایسے ہیں جو حسینؑ سے ملے ہیں آٹھویں کو' کچھ نویں کو' کچھ دسویں کو' حر حسینؑ سے ملا ہے دسویں کو' حر آیا تھا کیوں ؟ - یہ خود سے آیا تھا صرف حسینؑ کی مصیبت سے متاثر ہو کر۔ بہرحال حسینؑ نے قدر دانی کی۔ اس سے زیادہ کیا قدر دانی ہو سکتی ہے کہ جب یہ گھوڑے سے گرا تو حسینؑ نے اس کا سر اپنے زانوئے مبارک پر رکھا۔ اپنے ہاتھوں سے حسینؑ نے حر کے چہرے کی خاک کو صاف کیا۔ حر نے یہ درس دیا کہ دیکھو میں نے گھوڑے سے گرنے پر حسینؑ کو آواز دی ہے تم میں سے جو بھی گھوڑے سے گرے حسینؑ کو آواز دے۔ ایسی کوئی مثال نہیں کہ کوئی شہید گھوڑے سے گرا ہو اور اس نے حسینؑ کو آواز نہ دی ہو' اور امامؑ وہاں نہ پہنچے ہوں' اور ان میں سے اکثر ایسے ہیں جن کی لاش کو خود حسینؑ اٹھا کر لائے تھے اور خیمے کے در پر رکھا۔ یہاں تک کہ جس کا کوئی رونے والا نہ ہوتا تھا۔ تو حسینؑ زینبؑ اور ام کلثوم سے فرماتے کہ بہن اس پر تم روؤ۔

حبیب ابن مظاہر بھی آئے تھے۔ مگر وہ خود سے نہیں آئے تھے۔ ان کو خط لکھ کر بلایا گیا تھا۔ مگر حر خود سے آیا تھا۔ اب ان دونوں میں فرق تو ہونا چاہئے اب دیکھئے کسی مقتل میں یہ موجود نہیں کہ زینبؑ کو جب علم ہوا تو سلام کہلوایا ہو۔ جب حبیب آئے اور زینبؑ کو علم ہوا کہ حبیب آگیا۔ تو فضہ سے کہا کہ حبیب کو کہو کہ علیؑ کی بیٹی نے تم کو سلام بھیجا ہے۔ جب فضہ نے آکر یہ کہا تو حبیب حق شناس تھا سمجھتا تھا اس نے منہ پر طمانچے مارے اور کہا کہ ہائے یہ انقلاب۔ میں کہاں اور علیؑ کی بیٹی کہاں۔ یہ وقت آگیا حسینؑ پر کہ مجھے علیؑ کی بیٹی نے سلام کہلوایا۔ زینبؑ کہ عالمہ غیر معلمہ ہے۔ یہ درس دیا کہ جو

میرے بھائی کا طلب کردہ ہو وہ مستحق سلام ہے۔ یاد رکھئے کہ کوئی زائر حسین کی زیارت کو بغیر طلبی کے نہیں جا سکتا۔ یہی راز ہے کہ جب زائر طلبی کے بعد زیارت سے فارغ ہوا۔ تمام زیارات کرنے کے بعد اب کیا ہوتا ہے۔ کہ اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے اور کہتا ہے کہ اے زائر تم جس کی زیارت کو آئے ہو اس کے نانا نے تم کو سلام کہا ہے۔

اب موقع ہے کہ ایک سلام کربلا سے آپ کے پاس آ رہا ہے۔ یہ سلام آج کل قید خانے میں ہے۔ بتاؤں یہ سلام کس کے پاس ہے ؟ یہ سلام کس عالم میں ہے ؟ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، گلے میں خار دار طوق، سید سجاد کے پاس ہے۔ امام حسینؑ نے آخری وقت فرمایا تھا کہ بیٹا جب قید سے رہا ہو کر جانا تو میرے چاہنے والوں کو سلام کہنا۔ اور سلام کے بعد میرے چاہنے والوں سے کہنا کہ اے میرے چاہنے والو مجھے پیاسہ ذبح کر دیا گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

☆☆☆☆☆

مجلس دوئم

....

اما بعد۔ موجودات کی تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم موجودات کی ' ذات اور صفات اور وجود۔ ذات اور۔ صفات و وجود اور۔ دونوں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ مثال سے سنئے جیسے۔ ممکنات اپنے موجود میں اپنے صفات میں محتاج ہے دوسرے کا۔ جب تک وہ غیر اضافہ وجود نہ کرے وجود نہ دے۔ یہ موجود نہیں ہو سکتا۔ جیسے وہ کائنات ممکنات۔ کوئی ممکن وجود میں نہیں آ سکتا۔ ممکن کی ذات اور ہے اور جود اور ہے۔ ممکن کی ذات نہیں۔ اس کے صفات اور ہیں۔ دونوں الگ الگ ہیں اور ممکن اپنے وجود میں صفات میں محتاج ہے۔ غیر کا محتاج ہے۔ مثال سے سمجھ لیجئے۔ جیسے زمین اور اس کی روشنی دن میں۔ زمین اور ہے۔ اس کی روشنی اور ہے اپنی روشنی میں محتاج۔ زمین کو کس نے روشنی دی ؟ سبب اس کی روشنی کا آفتاب ہے۔ زمین کی ذات اور ہے۔ روشنی اور ہے۔ ایسے ہی دیگر ممکنات کو سمجھ لیجئے ممکن کی ذات اور ہے صفات اور ہے۔ یہ دوسرے کا محتاج ہے۔

دوسری قسم موجودات کی کہ ذات اور وجود و صفات اور مگر سبب وجود اور صفات کا خود آپ ہے۔ یعنی وجود اور صفات کا سبب خود اس کی ذات ہے۔ وہ غیر کا محتاج نہیں۔ مثال جیسے آگ کی روشنی۔ آفتاب کی روشنی۔ شمع کی روشنی۔ ذات شمع اور ہے اس کی روشنی اور ہے۔ ذات آفتاب اور ہے اس کی روشنی اور ہے۔ یعنی اس روشنی میں آفتاب دوسرے کا محتاج نہیں۔ یا ذات نار۔ ذات شمع۔ پہلی قسم میں وجود اور صفات کا غیر سبب تھا۔ لیکن یہاں سبب روشنی کا خود اس کی ذات ہے۔ خود آفتاب ہے۔ سمجھ میں آگیا۔

تیسری قسم موجودات کی۔ ذات عین وجود۔ ذات عین صفات اور صفات عین وجود اور عین صفات۔ یعنی دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ ذات عین صفات اور صفات عین ذات۔ ذات عین وجود اور وجود عین ذات جیسے نفس روشنی۔ یعنی ایک تو روشنی ہے اور دوسرے اس کا روشن ہونا۔ یعنی روشن ہونا روشنی کا ذاتی ہے عین ہے۔ یعنی نور اپنے روشن ہونے میں کسی کا محتاج نہیں۔ یعنی روشن ہونا یہ اس کا ذاتی ہے۔ اسی طرح سے سمجھ لیجئے کہ تمام صفات ثبوتیہ اور وجودیہ عین ذات واجب الوجود ہیں۔ واجب الوجود عین وجود عین صفات۔ وہ بسیط ہے تمام جہات سے۔ ہر اعتبار سے وہ بسیط ہے۔ جس جس کو وجود۔ تمام موجودات کا وجود اس سے ہے۔ اور وہ خود۔ اس کا وجود ذاتی ہے۔ تمام صفات اس کی طرف سے ہیں۔ اس کی صفات عین ذات ہیں۔ جیسے روشنی۔ جہاں جہاں روشنی ہے۔ اس کے نور سے ہے لیکن خود اس کی روشنی ذاتی ہے۔

امیرالمومنینؑ نے نہج البلاغہ کے پہلے خطبے میں فرمایا ہے جس کی شرح ابن حدید معتزلی نے کی ہے۔ اس نے پہلے قلم رکھ کر تعریف کی ہے۔ اس نے کہا کہ خالق کے کلام کے تحت فوق الکلام بشر ہونا چاہئے کہ خود فوق البشر ہے۔ حدید معتزلی کی زبان پر حقیقت آہی گئی۔ جس طرح خود امیرالمومنینؑ ہیں ان کا کلام بھی کلام کا امیر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے ملاء اعلیٰ سے کوئی نورانی مخلوق ہے۔ کلام یہاں کا نہیں۔

الحمد لله الذی ..... جمیع حمد انداز کلام کا وہی ہے جو خالق کا ہے۔ جمیع اقسام حمد تمام تعریف اللہ کے لئے ہے۔ یہ لام تملیکی ہے اور تملیک کی دو قسمیں ہیں۔ تملیک اختصاصی یعنی تمام۔ جملہ۔ جتنی تعریف ہو سکتی ہے ازل سے لے کر ابد تک۔ تمام تعریف اللہ کے لئے ہے۔ یعنی اس کی ملک ہے۔ اس کی ذات جو واجب الوجود ہے اسی سے مختص اس کی ملک ہے۔

لله ۔ اس میں عجب انداز ہے کہ ایک طرف یہ کہہ کر جمیع اقسام حمد کو اپنی ذات کے ساتھ مختص کر لیا۔ مگر یاد رکھئے گا اس کی نظر میں کچھ ایسے ہیں۔ اس میں بھی اشارہ ہے۔ یعنی وہ بتانا چاہتا ہے کہ ایسا یہ خیال نہ کرنا۔ اپنے بندوں کو متوجہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں نے اپنا نائب نہیں خلق کیا ہے۔ لہٰذا جب اپنے نائبین کے خلق کرنے کا وقت آیا تو اس نے حمد ہی سے مشتق کیا۔ احمد رکھا، محمد رکھا، اول، آخر، اوسط کلنا محمد۔ اس میں یہ بتایا کہ جس طرح میں لائق حمد ہوں اسی طرح یہ بھی لائق حمد ہیں۔ یہ بھی سزاوار حمد ہیں۔

الذی لا یبلغ مدحته ۔ فرمایا کہ بولنے والا اس کی حد مدحت کو نہیں پہنچ سکتا۔ لغت میں اس کے معنی ہیں المشارقہ یعنی اس کے قریب بھی نہیں ہو سکتا۔ الذی پہنچنا کیا اس کی معرفت کے قریب بھی نہیں ہو سکتا۔ اس کی ہیئت مدحت۔ الف لام آئے تو عمومی کا فائدہ دیتا ہے۔ بولنے والے۔ تمام بولنے والے۔ وہ اس عالم کے ہوں یا اس عالم کے تمام کے تمام اس کی مدحت کے قریب بھی نہیں ہو سکتے۔ پہنچنا کیسا۔ تمام گننے والے اس کی نعمتوں کا احصاء نہیں کر سکتے۔ وہی انداز ہے قرآن والا کہ نہیں۔ قرآن بھی تو یہی کہتا ہے کہ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو گے تو نہیں گن سکتے۔ وہی انداز ہے۔ تمام کوشش کرنے والے اس کے حق مدح اور حمد کو ادا نہیں کر سکتے۔ ممکن کتنا ہی ترقی کرے۔ ممکن واجب نہیں ہو سکتا۔ تو پھر کلام ممکن واجب کے حق کو کیونکر ادا کر سکتا ہے۔ ہمتوں اور ارادوں کی بلندیاں اس کو درک نہیں کر سکتیں۔ اور عقلوں کی گہرائیاں اس کو پا نہیں سکتیں۔ اگر آپ کلام کو ملائے گا تو دیکھئے خطبہ شقشقیہ میں اپنے متعلق کیا فرماتے ہیں کہ طائر عقل مجھ تک پہنچ نہیں سکتا۔ سمجھ لیجئے کہ کیوں پیغمبرؐ نے ان کے ذکر کو۔ کہ ذکر علیؑ عبادہ اور علیؑ کا ذکر اللہ کا ذکر۔ کیوں ایسا فرمایا۔ اسی سے تو معرفت حاصل ہوتی ہے کہ جب عبد ایسا تو معبود کیسا ہو گا۔ اس کی

صفت کی کوئی حد نہیں۔ کیوں اس لئے کہ صفت تو اس کی عین ذات ہے۔ صفت کی تحدید ملتزم ہو گی ذات کی تحدید۔ اگر صفت محدود ہو جائے گی تو اس سے ذات کا محدود ہونا۔ انسان اپنے اوپر قیاس کرنے لگتا ہے۔ کمزوری' طاقت' جوانی' بڑھاپا' انحطاط وغیرہ تغیر ہوتے رہتے ہیں۔ اس میں کوئی ایسی صفت نہیں جو بدلتی رہے۔ ایک ہی حالت رہتی ہے۔ اور کوئی تضاد کوئی مدت بھی نہیں ہے۔ ان آنکھوں سے نہ یہاں دکھائی دے گا نہ وہاں۔ یہ ان لوگوں کی نفی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہاں تو وہ دکھائی نہیں دیتا۔ مگر وہاں دکھائی دے گا۔ وہاں زیارت ہو گی۔ اور جن آنکھوں سے وہ دکھائی دے سکتا ہے۔ وہ یہاں بھی دیکھ سکتی ہیں اور وہاں بھی۔ اپنی قدرت سے اپنی طاقت سے اپنی قوت سے تمام خلائق کو اس نے پیدا کیا۔ اپنی رحمت سے ہوائیں چلائیں یہ زمین جو جنبش کر رہی تھی اس کے اضطرار کو پہاڑوں کے وجود سے ساکن کیا۔

اول دین۔ معرفت۔ دین شروع کہاں سے ہوتا ہے۔ اس کی معرفت سے۔ مگر معرفت کی بھی دو قسمیں ہیں۔ معرفت تامہ اور معرفت ناقص۔ صرف اتنا جان لینا کہ عالم کا بنانے والا ہے۔ معرفت ہو گئی۔ مگر ہے ناقص۔ کامل معرفت اس کی تصدیق ہے۔ کون ہے جو ؟ لیکن تصدیق کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ناقص اور کامل۔ ناقص تصدیق بس اتنا کہ ہے' بنانے والا۔ کامل تصدیق اس کی توحید ہے۔ اس کو یکتا ماننا۔ معبود واحد۔ لیکن توحید کی بھی دو قسمیں ہیں۔ کامل توحید اخلاص۔ کامل خلوص سے توحید کو مانے۔ مگر اخلاص کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ناقص و کامل۔ کامل اخلاص یہ ہے کہ صفات زائدہ کی اس سے نفی کرے۔ یعنی جتنے صفات اس میں پائے جاتے ہیں وہ سب عین ذات ہیں۔ اس لئے کہ ہر صفت یہ گواہی دیتی ہے کہ صفت اور ہے اور موصوف اور ہے۔ اور ہر موصوف یہ گواہی دیتا ہے کہ وہ اور ہے اور صفت اور ہے۔ اور جس نے اس

کا وصف صفات زائدہ کے ساتھ کیا تو اس نے اس کا قرین یعنی اس کا ساتھی بنا دیا۔ اور جس نے صفات کو اللہ کا قرین یعنی ساتھی بنایا تو اس نے اللہ کو دو کر دیا۔ اور جس نے اسے وحدت سے نکال کر اثنین یعنی اس کا قرین بنا کر اسے دو کر دیا۔ تو اس نے اس کا جز' جز کر دیا۔ اور جس نے اس کا تجزیہ کیا جز' جز کیا وہ جاہل ہے۔ اس نے اسے نہیں پہچانا۔ اور جس نے نہیں پہچانا (جاہل نے) تو اس نے گن بھی لیا اس کو اور جس نے اسے گنا اس کی تحدید بھی کر دی۔ (محدود کر دیا) اس نے بتا دیا کہ وہ کہاں بیٹھا ہے۔ جب تحدید کر دی تو کہیں نہ کہیں اسے بٹھا دیا۔

صفات عین ذات اور ذات عین صفات۔ یہ پہلا وصف اس کی ذات کا آیت الکرسی میں اس کی حیات' حیات عین ذات اور ذات عین حیات۔ ایک سوال ہونے رہتا ہے لوگوں کی زبان پر۔ لوگ کہتے رہتے ہیں کہ عالم کا وجود اللہ سے اور اللہ کا وجود کہاں سے ؟ تمام مخلوقات کو اللہ نے پیدا کیا۔ تو اللہ کو کس نے نعوذ باللہ پیدا کیا۔ اس کا جواب کسی موجود کی جو شے ذاتی ہو۔ اس کی علت کا سوال نہیں ہو سکتا۔ کسی چیز کی کوئی شئے ذاتی ہے یا کسی شئے کی ذات کا لازمہ ہے تو وہ اپنے تحقق میں وہ خود جب وہ ذات تحقق ہو گئی تو وہ لازمہ بھی اس کے ساتھ شامل ہے۔ جب آفتاب نکلے گا تو دن ہو گا۔ دن اس کا لازمہ ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ آفتاب ہو اور دن نہ ہو۔ کبھی ایسا ہوا کہ آفتاب نکلا اور روشنی نہ ہو۔ چاہے آپ نے نہ دیکھا ہو۔ آپ کو یقین ہو جاتا ہے آفتاب کے نکلنے کا مثال سے واضع ہوا کہ جب دو یا چار یعنی جفت ہونا۔ ایک سے طاق ہونا۔ جفت ہونا عدد دو گا جفت ہونا۔ لازم ہے۔ یعنی یہ ماہیت عدد دو کی ماہیت میں زوج ہونا جفت ہونا لازم ہے۔ عدد دو کے لئے جفت ہونا لازم ہے۔ یعنی یہ ماہیت دو سے جفت ہونا زوج ہونا منفق نہیں ہو سکتا۔ جہاں کہیں دو پایا جائے گا۔ زوجیت اس

کی ساتھ ساتھ ہو گی۔ جفت ہونا اس کے لئے لازم ہو گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ دو ہو اور جفت نہ ہو۔ ایک ہو اور طاق نہ ہو۔ اس عدد کی ماہیت اور حقیقت کے لئے ضروری اور لازمی ہے۔ یعنی اس عدد کی ذات کا لازمہ بھی یہی ہے۔ یعنی ماہیت دو ماہیت چار کے لئے زوج ہونا لازمی ہے۔ جہاں کہیں چار دو زوج ہو گا۔ اگر کوئی سوال کرے۔ پوچھیں کہ یہ چار جفت کیوں ہے۔ زوج کیوں ہے۔ ایک دو کا آدھا ہے۔ واحد نصف الاثنین کیوں ہے۔ یہ سوال نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ واحد کے لئے دو کا آدھا ہونا لازمی ہے۔ دو کے لئے زوج ہونا لازمی ہے۔ تو جو ذات کا لازمہ ہو۔ اس کی ماہیت کا سوال نہیں ہو سکتا۔ یہاں کیوں اور کیسے نہیں آ سکتا۔ تو یہ تمام صفات وجود۔ ذات احدیت کے لئے لازمہ ہے۔ وہاں سوال ہی نہیں ہو سکتا کہ اس کا وجود کہاں سے ہے۔ وہاں تو سوال ہی نہیں ہو سکتا۔ اگر جہاں یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ چار۔ دو کے لئے زوج ہونا کیوں ضروری ہے۔ بہرحال یہ سوال نہیں ہو سکتا۔

کل میں نے دو احادیث نقل کیں معصومؑ کا قول ہے کہ ایک مجلس میں ایک حدیث کو کم از کم تین مرتبہ بیان کرنا چاہئے تاکہ ذہن میں اچھی طرح محفوظ ہو جائے۔ معلوم ہے اس کا ثواب کتنا ہے۔ میری امت میں جو 40 حدیث یاد کرے تو اس کا ثواب حشر میں اللہ اس حافظ حدیث کو عالم محشور کرے گا۔ اور فقیہہ محشور کرے گا۔ کثرت مجالس کی وجہ سے کوئی بات کسی بات پر مجھ سے تو نسیان ہو سکتا ہے۔ مجھے سہو ہو سکتا ہے۔ مگر میرے امامؑ سے تو نہیں ہو سکتا۔ یعنی میں نے کوئی بات پہلے بیان کی ہو تو مجھے بتا دیا کریں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ زندہ مخلوق صرف زمین میں نہیں۔ افلاک میں مخلوق ہے۔ اور زندہ مخلوق ہے۔ حیات ہے۔ وہ آسمانوں میں ہے۔ اجرام میں ہے۔ یہ جتنے عوالم۔ ایک آیت سورہ شوریٰ کی ومن آیتہ خلق السموات والارض (پارہ ۲۵ رکوع ۴ سورہ

شوریٰ)۔ اس کی قدرت کی نشانیوں میں "خلقِ سموات و الارض" ہے آسمانوں کا پیدا کرنا۔ اور زمین کا پیدا کرنا اور ان جانداروں کا جنہیں رزق دابہ۔ ہر وہ شئے جو زمین پر ہے۔ کوئی زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ جس کا رزق اللہ پر واجب نہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ کہاں زیادہ رہے گا۔ کہاں کم رہے گا۔ اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ مادی زندہ مخلوق پر دابہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ ملائکہ پر دابہ نہیں۔ وہ مادہ اور جسم سے خالی ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ ایسی مادہ مخلوق جو مادہ اور جسم سے خالی نہیں وہ موجود ہے۔ آسمانوں اور زمینوں میں۔ حاملین علوم قرآن نے اس کی تصدیق فرما دی۔ صادق آل محمدؑ نے فرمایا تھا آج سے چودہ سو سال قبل بتا دیا کہ دیکھو تمہارے اس آفتاب کے علاوہ چالیس آفتاب اور ہیں۔ اور ان میں ایک دو نہیں۔ خلق کثیر۔ اور تمہارے اس چاند کے علاوہ چالیس چاند اور ہیں۔ ابھی تو ایک کا ہی جھگڑا پڑا ہوا ہے۔ کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ۔ بہر حال اگر اس میں چلے بھی گئے تو باقی چالیس ؟ اور ان میں بھی خلق کثیر ہے۔ کثیر۔ ان کو ان کروں میں رہنے والوں کو یہ خبر نہیں کہ اللہ نے اس زمین پر آدمؑ کو خلق کیا ہے کہ نہیں۔ ایک سوال ہے میرا آپ سے۔ آپ بتائیے کہ یہ کون کہہ سکتا ہے۔ چلو مان لیا کہ یہ تو بتایا جا سکتا ہے کہ اس آفتاب اور ماہتاب کے علاوہ اور بھی آفتاب اور ماہتاب ہیں۔ مگر عدد۔ صحیح تعداد کے ساتھ۔ کون بتا سکتا ہے۔ امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں کہ یقیناً" یہ ستارے جو آسمانوں میں ہیں۔ یہ سب کے سب "انا" کے ساتھ فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کہ امیرالمومنینؑ کے ذہن میں یہ تھا کہ کچھ لوگ اس میں شک کریں گے۔ اس لئے "انا" کے ساتھ فرمایا کہ یقیناً" یہ شہر ہیں جیسے زمین پر شہر ہیں۔ لاہور، کراچی، اس حدیث سے یہ بات بھی واضح اور صاف ہو گئی کہ جس طرح ان شہروں میں متمدن مخلوق ہے۔ اسی طرح ان ستاروں میں جو شہر ہیں۔ متمدن مخلوق آباد ہے۔ اور کثیر۔ زندگی بسر کرنے

کے لئے انہوں نے بھی شہر بسا رکھے ہیں۔ ہم پر ظلم کیا ان لوگوں نے جن سے جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ "سلونی" اگر وہ کچھ پوچھ لیتے تو آج کئی مسائل حل شدہ مل جاتے۔

اب یہ سوال یاد رکھئے کہ یہ تمام عوالم پیدا کیوں کئے۔ قرآن مجید میں غور فرمائیں تو معلوم ہو گا کہ یہ سب مخلوق عوالم عبادت کے لئے پیدا کئے۔ تو یہ یاد رہے کہ فرمان ایزدی کہ میں مخفی خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں۔ میں نے خلق کیا جن و انس کو۔ مگر عبادت کے لئے۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ اے لوگو اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا معرفت کے لئے۔ یہ اس کا فائدہ۔ یعنی عبادت اور اِس کا فائدہ اس کی طرف عائد نہیں ہوتا وہ غنی بالذات ہے۔ اس کا فائدہ عارف کی طرف۔ عابد کی طرف عائد ہوتا ہے۔ جو عبادت کرے گا اسے فائدہ ہو گا۔ جو جتنی معرفت رکھے گا اتنا ہی فائدہ ہو گا وہ غنی ہے۔ یہ عبادت ااور معرفت اس کی کہ جس کے لئے اس نے تمام عوالم پیدا کئے۔ یہ ممکن نہیں کہ بغیر محمد و آل محمدؐ کی اطاعت کے یعنی بغیر معرفت و اطاعت محمد و آل محمدؐ کے اللہ کی عبادت ممکن ہی نہیں۔ بلکہ آپ یوں کیوں نہیں صاف صاف کہہ دیتے بلکہ اگر کسی کو تامل ہے تو میں صاف صاف کہہ دیتا ہوں کہ انہی کی معرفت اللہ کی معرفت ہے۔ ان کی اطاعت اللہ کی مدحت ہے ان کی اطاعت اللہ کی عبادت ہے۔ اسے یوں بدل دیجئے ان کی اطاعت اللہ کی طرف ہو جائے تو ان کی اطاعت ہی اللہ کی عبادت ہے۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (پارہ ۵ رکوع ۵ سورہ النساء) رسول کی اطاعت اور اولی الامر کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ اور یہی اللہ کی عبادت ہے۔ ان کی اطاعت اللہ کی عبادت ہے کیونکہ سرکار سید الشہداء نے فرمایا کسی نے سوال کیا سرکار سید الشہداء سے کہ ما معرفت اللہ ؟ اللہ کی معرفت کیا ہے ؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ کی معرفت اس امامؑ کی

معرفت کہ جس امام زمانہ کی اطاعت اللہ نے اس پر واجب کی ہے۔ یعنی امام زمانہ کی معرفت یہ ہے اللہ کی معرفت۔

بازار سے گذرتے ہوئے اس حدیث کا یوں ترجمہ کیا جا رہا تھا کہ جس نے اپنے امام زمانہ کی معرفت حاصل نہیں۔ امام زمانہ سے مراد قرآن ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ دیکھئے حدیث کیا کہتی ہے۔ من مات بمعرفت امام زمانہ تو معلوم ہوا کہ زمانہ مختلف ہو گا۔ تو یہ حدیث خود بتا رہی ہے کہ امام مختلف ہو گا۔ مگر قرآن تو ایک ہی ہے۔ قرآن ایک ہے۔ مگر امام تو ایک نہیں ہو سکتا وہ تو ہر زمانے کا علیحدہ امام ہو گا۔ یا سلمان رضی اللہ عنہ یا اباذر رضی اللہ عنہ ۔ امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں۔ دیکھو کسی کا ایمان کامل نہیں ہو گا۔ کسی مومن کا ایمان کامل نہیں ہو گا جب تک مجھے نورانیت سے نہ پہچانے اور جب مجھے بالنورانیت پہچانے تو وہ ہے مومن۔ اللہ نے اس کے قلب کا ایمان کے لئے امتحان کرلیا ہے۔ امتحان لینے کے بعد فرمایا یہ دین خالص ہے۔ اور وہ دل کی آنکھوں سے دیکھنے لگتا ہے۔ یہ حدیث سامنے رکھئے۔ یاد رکھئے کہ ان کی محبت اور معرفت آتی نہیں جب تک کہ قلب کا امتحان نہ کرلیا جائے۔ امتحان لیتا ہے اور شرح صدر عطا فرما دیتا ہے اسلام کے لئے۔ اب وہ عارف بنتا ہے۔ اپنے دین کا۔ یعنی اب وہ دین کو سمجھتا ہے۔ اور دل کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ اور وہ دل کی آنکھوں سے دیکھنے لگتا ہے۔ یعنی دین کی بصیرت مل جاتی ہے۔ فرمایا کہ میں تو ایسے رب کی عبادت ہی نہیں کرتا جسے میں دیکھ نہیں لیتا۔ یعنی امیرالمومنینؑ بھی دیکھ رہے ہیں۔ اے ابا ذر اے سلمان جو بھی اس نورانیت سے کوتاہی کرے گا تو وہ ہے شک کرنے والا۔ چاہے لا ریب فی کہتا رہے کہ اس میں کوئی شک نہیں۔ مگر اسے شک ہو گا۔ اگر میری معرفت نہیں تو کہتا رہے لا ریب فیہ۔ مگر اسے شک ہو گا۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا۔ اے اباذر اے سلمان میری معرفت خدا کی معرفت نور

اللہ ہے۔ اور خدا کی معرفت میری معرفت نور اللہ ہے۔ اور دین خالص ہے۔ اب آیت پڑھے دیتا ہوں۔ لطف آپ لیتے رہیں کہ۔ لا اکراہ فی الدین۔ کہ دین خالص میں جبر نہیں۔ تو نتیجہ کیا نکلا۔ دیکھئے میرے دین کے مطالب۔ خلاصہ یہ ہے۔ تمام عوالم کو اللہ نے پیدا کیا عبادت کے لئے۔ اور عبادت اور اطاعت ہو نہیں سکتی بغیر محمد و آل محمدؑ کی اطاعت کے۔ ان کی اطاعت اللہ کی عبادت ہے۔ نتیجہ کیا نکلا کہ سارے عوالم کو اللہ نے انہی کے لئے پیدا کیا تھا۔ اس لئے امیرالمومنینؑ نے فرمایا تھا کہ یہ تو سب کچھ ہمارے لئے پیدا کیا گیا تھا اللہ نے کیا' کیا پیدا کیا ہے پوچھو مجھ سے آسمان کے راستوں کو ہم بتائیں گے۔

آپ کیا سمجھتے ہیں کربلا میں حسینؑ کو شہید کیا گیا۔ نہیں دین کے گلے پر چھری پھیری گئی۔ حسینؑ دین تھے دین خالص۔ یہ قتل کرنے والے آتے ہیں دوسرے سال حج کرنے کے لئے اور ابن عباس سے سوال کرتے ہیں کہ ابن عباس مچھر کا خون بہانا کیسا ہے۔ تو ابن عباس چیخنے لگتے ہیں۔ کہ مچھر کے خون بہانے کے متعلق سوال کرتے ہو،اور حسینؑ کے خون بہاتے وقت سوال نہ کیا۔ حسینؑ کی مصیبت اعظم المصائب ہے۔ آدمؑ کا بیٹا ہابیل قتل کیا گیا۔ کوئی شک نہیں یہ بڑی مصیبت تھی مگر حسینؑ کا جوان بیٹا بھی تو قتل کیا گیا۔ بتایئے حسینؑ کے اس بیٹے کی انبیاء میں کوئی نظیر ہے۔ آدمؑ کا بیٹا قربان ہو جائے حسینؑ کے اس بیٹے پر۔ قابیل نے قتل کیا مگر حمیت برادر اس کی جوش میں آگئی۔ اس نے گوارہ نہیں کیا کہ بھائی کی لاش زمین پر پڑی رہے۔ اس نے مدد لی کوے سے۔ جب تک دفن نہیں کر لیا۔ حسینؑ کا بیٹا دفن ہوا ؟ سیدانیوں کی خواہش ہے کہ حسینؑ کے بیٹے علی اکبر کی شہادت کا ذکر کر دیں۔ آیئے ذرا لیلیٰ کے دل کا حال دیکھیں۔ حسینؑ کا جوان بیٹا گھوڑے سے گرتا ہے۔ جتنے شہداء گھوڑے سے گرے سب نے امام کو پکارا مدد کے لئے۔ مگر حسینؑ کا بیٹا

یہ نہیں کہتا۔ وہ کہتا ہے بابا آخری سلام۔ یہ تو جواب میں کہا جاتا ہے۔ آپ نے غور فرمایا کہ علی اکبر نے کیوں سلام کو الٹ کر دیا۔ اس لئے کہ جواب سلام واجب تھا اور علی اکبر نے اپنی خشک زبان باپ کے منہ میں ڈال کر نکال لی تھی اور معلوم کیا کہا تھا۔ کہ بابا آپ کی زبان تو میری زبان سے بھی زیادہ خشک ہے۔ جوان بیٹے کو یہ گوارہ نہیں تھا کہ باپ سوکھی زبان سے جواب سلام دے۔

زینبؑ جو کبھی گھر سے نہیں نکلی۔ اپنے بیٹوں کے قتل پر بھی۔ عباس قتل ہوئے۔ مگر زینبؑ ، حسینؑ کے اس جوان بیٹے کے قتل پر باہر نکل آئیں۔ یاد رکھئے کربلا میں ہر شہید کا قاتل ایک ہے۔ مگر علی اکبر کا قاتل ایک نہیں۔ سب نے مل کر قتل کیا۔ یعنی ان سب نے مل کر علی اکبر کو اپنی تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ جو آتا تھا ایک تلوار کی ضرب لگا کر جاتا تھا۔ اعظم المصائب۔ حضرت نوحؑ ابتلاء میں آئے۔ مگر ان کی کشتی طوفان سے بچ گئی۔ مگر حسینؑ کی کشتی ؟ غضب ہے کہ ننھے ننھے بچے بھی دریائے خون میں ڈوب گئے۔ حضرت موسیٰؑ مبتلاء ہوئے تھے۔ حواریوں نے گھیر لیا۔ مگر وہ بچ نکلے اور انہوں نے پیچھا نہیں کیا چھوڑ دیا۔ مگر حسینؑ کو وطن سے نکلنے پر مجبور کیا گیا۔ اور ان کا پیچھا کیا گیا۔ اور کربلا میں گھیر لیا۔ جناب سکینہؑ فرماتی ہیں کہ ہمارے لئے سب سے سخت دن وہ تھا کہ جب ہم مدینے سے نکلے۔ کوئی وہاں موجود نہیں تھا۔ جو سوال کرتا کہ شہزادی وہ دن زیادہ سخت تھا یا وہ دن جب مسلم کی خبر آئی تھی۔ اور حسینؑ نے آپ کے سامنے یتیمان مسلم کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ یا وہ دن زیادہ سخت تھا جب آپ کے باپ کا گھوڑا چلتے چلتے رک گیا تھا۔ اور آپ کے پدر بزرگوار نے مرثیہ پڑھا تھا کہ خدا کی قسم یہی وہ جگہ ہے کہ جہاں ہمارے مرد قتل کئے جائیں گے۔ جہاں ہمارے ننھے ننھے بچے ذبح کئے جائیں گے۔ اور ہماری عورتیں اسیر کی جائیں گی۔ یا وہ وقت سخت تھا کہ جب آپ اپنے باپ کی لاش

سے لپٹی ہوتی تھیں اور جب شمر کو آپ نے آتا دیکھا۔ تو باپ کی لاش کو چھوڑ کر الگ ہٹ گئیں تھیں۔ الحاصل

جناب ابراہیمؑ ، اسماعیلؑ کو منیٰ میں لے کر گئے تھے۔ ایک ہی تو قربانی تھی۔ جناب اسماعیل کو ذبح کے لئے لٹایا تھا۔ مگر معلوم ہے ابراہیمؑ نے آنکھوں پر پٹی باندھ لی تھی۔ مگر حسینؑ اپنے جوان بیٹے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے ہوئے۔ حضرت عیسیٰؑ کو دار پر چڑھایا گیا۔ سر حسین کو بھی نیزے پر چڑھادیا گیا۔ سر حسینؑ نیزے پر قرآن پڑھ رہا ہے۔ ابن ولید کہتا ہے کہ اس نے یہ قصد کیا کہ آج رات میں یہ سر چرا لوں گا۔ دفن کر دوں گا۔ ادھر اس نے یہ ارادہ کیا اور ادھر سر حسینؑ سے یہ صدا آئی کہ ابن ولید ایسا نہ کرنا۔ ابھی تو مجھے دربار یزید میں جانا ہے۔ جناب یعقوبؑ نے بیت الاحزان بنایا تھا۔ وہاں جا کر روتے تھے۔ بتاؤں آپ کو ام البنین نے ایک بیت الحزن بنایا تھا۔ وہاں جا کر قبریں بناتی تھیں۔ یہ عباس کی قبر ہے۔ یہ عباس کے بھائی کی قبر ہے۔ ام البنین ان کا اصلی نام فاطمہ ہے۔ ان کو خدا نے اولاد بہت دی تھی۔ آپ یہ کہا کرتی تھیں کہ مجھے فاطمہ نہ کہو مجھے بیٹوں کی ماں کہو۔ بہت سے بیٹوں کی ماں۔ لیکن واقع کربلا کے بعد اگر کسی نے ام البنین کہہ دیا تو فوراً" رو دیا۔ کہ اب میں ام البنین کہاں ہوں۔ مجھے فاطمہ کہو میرا عباس تو کربلا میں مارا گیا۔ ان للہ و انا الیہ راجعون

☆☆☆☆☆

مجلس سوئم

....

اما بعد لا تاخذہ سنته ولا نوم ۔ یہ آیت الکرسی کی دوسری آیت ہے۔ اس سے پہلی آیت میں صفات ثبوتیہ کا بیان ہے۔ اس دوسری آیت میں صفات صلبیہ کا بیان ہے۔

صفات ثبوتیہ سے کیا مراد ہے۔ وہ صفات کے جن کا عقلاً" ذات واجب الوجود میں پایا جانا ضروری ہے۔ وہ صفات ثبوتیہ ہیں۔ علم، قدرت، حیات یہ ایسے اوصاف ہیں کہ عقلاً" جس کی نفی ذات احدیت سے نہیں ہو سکتی۔

صفات صلبیہ وہ اوصاف کہ جن کی نفی ذات احدیت سے عقلاً" ہونا لازمی ہے۔ ارشاد ہے لا تاخذہ سنته ولا نوم ۔ اسے نہ اونگ آتی ہے نہ نیند۔ جیسے مشرکین کا خیال ہے۔ اپنے معبودوں کے بارے میں۔ ان میں سے بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ معبود نیند سے جھومنے لگتا ہے۔ مسیحیوں اور یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کو چھ دن میں پیدا کرنے کے بعد آرام کرنے کے لئے اور ستانے کے لئے سونا ضروری تھا۔ ایک روایت ہے۔ حدیث نبویؐ ہے۔ کہ حضرت موسیٰؑ کی قوم نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ کیا تمہارا رب سوتا بھی ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا معبود تو سن رہا ہے یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ کہا اچھا میں ابھی جواب دیئے دیتا ہوں۔ موسیٰؑ دیکھو شب و روز سونا نہیں۔ ایک دن ایک رات سونا نہیں۔ شب بیداری کا حکم آیا۔ معلوم ہوا کہ شب بیداری بدعت نہیں۔ اور ایک فرشتے کے ذریعے دو شیشے بھیج دیئے۔ کہ موسیٰؑ دونوں ہاتھوں پر ایک ایک شیشہ رکھ کر جاگتے رہو۔ دیکھو ٹوٹنے نہ پائے۔ اب جو موسیٰؑ بیٹھے تو انہیں نیند آنے لگی۔ آپ بازار میں بارہ بجے رات تک بیٹھے رہیں باتیں

کرتے رہیں۔ نیند نہیں آئے گی۔ مگر مجلس میں بیٹھیں نیند آ جائے گی۔ بعض بعض مقام ہیں جہاں نیند بالکل نہیں آتی۔ آپ کو معلوم نہیں۔ آپنے سینما کبھی دیکھا ہی نہیں۔ نام تو سنا ہو گا آپ نے مگر دیکھا نہیں۔ آج تک نہیں سنا کہ کسی نے کہا ہو کہ اسے سینما میں نیند آگئی تھی۔ معلوم ہوا کہ کوئی ہے سلانے والا وہ نہیں چاہتا کہ یہاں جاگا جائے۔ اور ذکر سنا جائے۔ الحاصل موسیٰؑ کو نیند پہ نیند آ رہی ہے۔ حضرت موسیٰؑ نیند سے لڑتے ہیں ۔ مگر نیند غالب آگئی اور شیشے ٹوٹ گئے۔ حکم ہوا کہ موسیٰؑ تم ان دو شیشوں کی حفاظت نہیں کر سکے۔ ایک رات صرف۔ تو بتاؤ اگر میں سو جاؤں تو اتنے عالمین کی نگہداشت کیسے ہو گی۔

الحاصل یہ نیند ترقی یافتہ دنیا۔ تعلیم یافتہ دنیا چودہ سو سال کی تحقیق اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ ہر جاندار کے لئے نیند ضروری ہے۔ مگر ہمارے آئمہ معصومینؑ نے چودہ سو سال پہلے اپنے تابعین اپنے چاہنے والوں کو اس حقیقت سے آگاہ کر دیا تھا۔ صادق آلِ محمدؑ فرماتے ہیں کوئی زندہ نہیں جو سوتا نہیں۔ کوئی ایسا ذی حیات کہ جسے حیّ کہا جائے۔ ایسا نہیں جو سوتا نہیں۔ سوائے اللہ کے کوئی حیّ ایسا نہیں صرف وہی ایسا حیّ ہے جو سوتا نہیں۔

نیند' یہ خواب قرآن پڑھئے کہ ہم نے نیند کو راحت کا ذریعہ بنایا۔ اور یہ قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔ حیوانات تک میں۔ ایک رئیس نے ایک گدھا پال رکھا تھا۔ جب وہ بوڑھا ہو گیا تو اس نے اس سے چھٹکارہ پانے کے لئے جنگل میں چھوڑ دیا۔ شیر کو گدھے کا گوشت بہت پسند ہے۔ اگر گدھا موجود ہو تو وہ اور کوئی شکار نہیں کرتا۔ شیر جب شکار کے لئے نکلا تو اتفاق سے یہی رئیس والا گدھا اس کی نظر میں چڑھا۔ اب جو گدھے نے شیر کو دیکھا برابر دیکھا تو گھبرایا۔ تھا تو گدھا مگر ایک عمر رئیس کی صحت میں گذری تھی۔ کچھ تو صحبت کا اثر تھا۔ ایک ترکیب اس نے نکال لی بولا عالی جاہ میری ایک بات سن لیں۔ میں رئیس کا

گدھا ہوں اس کا ثبوت یہ ہے کہ میرے پاؤں میں یہ سونے کی نعل ہے۔ میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ میرے گوشت میں کوئی مزہ نہیں۔ سب کچھ رئیس نے چوس لیا ہے۔ میں آپ کو ترکیب بتاتا ہوں آپ ایسا کریں کہ اسے اتار لیں۔ اور اس سے تین گدھے خرید لیں۔ ایک سے صبح ناشتہ کریں۔ دوسرے سے دوپہر کا لنچ کریں اور تیسرے سے رات کا ڈنر۔

یہاں ایک حدیث یاد آگئی کہ جس کو دن میں ایک مرتبہ کھانا مل جائے تو ایسے شخص کو بھوکا نہیں کہا جا سکتا۔ مطلب اس حدیث کا آپ خود نکال لیں۔ اگر دو مرتبہ کھائے تو ایسے شخص کو زاہد نہیں کہا جا سکتا۔ اور جو دن بھر میں تین مرتبہ کھائے تو میں کہنا نہیں چاہتا اس کو بھی باندھ دو اسی کے ساتھ۔

ایک بات ذہن میں آگئی۔ دیکھئے اس مجلس میں اطباء موجود ہیں۔ ڈاکٹر صاحب بیٹھے ہیں۔ وہ اس حدیث کی تائید کریں گے کہ زیادہ نہیں کھانا چاہیے۔ بہرحال شیر نے کہا کہ یہ نعل نکلے کیسے۔ اس نے کہا حضور میں پاؤں اٹھاتا ہوں آپ دانت سے نکال لیں۔ شیر کی سمجھ میں یہ بات آگئی۔ اس نے کہا اچھا۔ اب گدھے کو تو عادت ہے لات مارنے کی۔ مگر جواب میں اسے کوئی لات نہیں مارتا۔ اس میں راز ہے۔ غالب سے کسی نے پوچھا کہ حضرت لوگ آپ کی بہت مخالفت کرتے ہیں۔ فلاں مخالفت کرتا ہے۔ آپ کچھ نہیں کہتے۔ آپ بھی جواب دیں شعروں میں۔ تو مرزا غالب نے کہا جب گدھا لات مارتا ہے تو اسے کوئی لات نہیں مارتا۔ خاموشی سے جواب دیتا ہے۔ بہرحال گدھے نے پاؤں اٹھایا۔ تو شیر نے دانت سے نعل نکالنے کے لئے منہ آگے بڑھایا۔ اب اسے تو عادت ہے لات مارنے کی۔ اس نے جڑ دی۔ لات مار دی۔ اب شیر کی بری حالت ہے۔ دانت باہر آگئے۔ منہ خون سے بھرا ہوا ہے۔ اور جا رہا ہے۔ راستے میں کسی جانور نے پوچھا کہ عالی جاہ کیا حال ہے۔ تو اس نے

جواب دیا کہ دیکھو اپنا پیشہ چھوڑنے کا یہی حال ہوتا ہے۔ میرا پیشہ تھا قصابی۔ چیرا' پھاڑا' کھالیا۔ مگر میں نے اپنا پیشہ چھوڑ کر لوہار کا پیشہ اختیار کر لیا جس سے یہ نوبت آئی۔ دانت بھی نکل گیا اور خون بہہ رہا ہے۔ الحاصل ہر ایک کا اپنا ہے ایک پیشہ۔ اپنا اپنا حق ہے۔ میں اپنی آواز اونچی کر سکتا ہوں۔ سپیکر کی آواز اونچی نہیں کر سکتا۔ اس کا اوپر کرنا' نیچا کرنا' دوسرے کا کام ہے۔

کوئی زندہ ماسوائے اللہ ایسا نہیں کہ جسے نیند نہیں آتی۔ پرندوں کو دیکھئے دن بھر تلاش معاش میں رہتے ہیں۔ مگر جونہی غروب آفتاب کا وقت آیا وہ بسیرے کی طرف لوٹتے ہیں۔ جہاں امن ہو وہیں بسیرڈالتے ہیں۔ ان میں ایسے بھی ہیں جو رات کو معاش کی تلاش میں نکلتے ہیں اور دن کو آرام کرتے ہیں سوتے ہیں۔ جیسے چمگادڑ۔ امیرالمومنینؑ نے نہج البلاغہ میں ایک خطبہ صرف اس چمگادڑ کے واقعہ میں ہے۔ فرماتے ہیں۔ یہ دن میں اپنی پلکوں کو بند رکھتا ہے۔ اور رات کو یہ پلکیں کھول کر چراغ بنالیتا ہے۔ اور ان کی مدد سے روزی تلاش کرتا ہے۔ سبحان ہے منزہ اور پاک ہے وہ ذات جس نے اس چمگادڑ کے لئے رات کو معاش کا ذریعہ بنایا اور دن کو اس کے لئے آرام قرار دیا۔ بات آ گئی۔ کسی نے معصوم سے پوچھا تھا کہ کیا سبب ہے کہ لوگوں نے علیؑ کو چھوڑ دیا۔ حالانکہ پیغمبرؐ سے قرابت علیؑ کو دوہری تھی۔ نسبتی سلبی۔ داماد' بھائی' اور کمالات میں علیؑ کا کوئی جواب نہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ لوگوں نے علیؑ کو چھوڑ دیا۔ تو اس نے جواب دیا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ علیؑ کا نور تمام انوار پر غالب آگیا۔ اب یہ علیؑ کو دیکھ نہ سکے۔ جیسے چمگادڑ کی آنکھوں پر آفتاب کا نور غالب آجاتا ہے۔ وہ دیکھ نہیں سکتی اسے۔ اور اس نے کہا کہ وجہ یہ تھی کہ ہر ہم شکل اپنے ہم شکل کو دوست رکھتا ہے۔ ہر جنس اپنی جنس سے مائل ہوتی ہے۔ جیسے کبوتر با کبوتر باز با باز۔ تو چونکہ علیؑ ان کے ہم جنس نہیں تھے تو وہ

کیسے ان کو دوست رکھتے۔ کوا کوے کو دوست رکھتا ہے۔ کبوتر کبوتر کو دوست رکھتا ہے۔ چمگاوڑ بہرحال دن میں آرام کرتا ہے۔ بہرحال نیند کا ہونا ہر ذی روح کے لئے لازمی ہے۔ نیند کی قسمیں ہیں۔ پیغمبرؐ نے فرمایا النوم۔ نیند کی سات قسمیں ہیں۔

ا۔ نوم الغفلت : غفلت کی نیند کون سی ہے جو مجلس ذکر میں آئے۔ مجلس ذکر میں سونا۔ اس سے بڑا کون غافل ہو گا کہ ذکر کی محفل میں سو جائے۔ معلوم ہے ذکر کیا ہے ؟ آپ جس کا ذکر کرتے ہیں وہ آپ کا ذکر کرتا ہے "تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا" تم لوگوں میں میرا ذکر کرو۔ میں ملائکہ میں تمہارا ذکر کروں گا۔ میں تو اس کا ہم نشین۔ جلیس ہو جاتا ہوں جو میرا ذکر کرتا ہے۔ اب بتایئے کہ جو سو جائے تو کس قدر ؟ جہاں وہ موجود ہوتا ہے۔ ہم نشین ہوتا ہے تو یہ ہے نوم الغفلت۔ فذکرونی اذکرکم۔ تو جو اس کی ذات کا مظہر ہو گا۔ اس کی بھی وہی شان ہو گی۔ علیؑ نجف سے فرماتے ہیں کہ تم میرا ذکر کرو۔ میں تمہارا ذکر کروں گا۔

۲۔ نوم الشقاوت : شقاوت کی نیند۔ بدبختی کی نیند۔ یہ کون سی نیند جو صبح کے وقت آتی ہے۔ مومن اس وقت نہیں سوتا یہ بات یاد رکھئے کہ نماز کے وقت آنکھ ضرور کھلے گی۔ آپ جاگیں یا نہ جاگیں۔

۳۔ نوم العقوبت : عقوبت سزا کی نیند۔ نیند یعنی اگر سویا تو سزا ملے گی۔ یہ وہ نیند ہے جو نماز کے وقت آئے۔ نماز کے وقت آئمہ طاہرین کا کیا حال ہوتا تھا۔ اللہ اکبر۔ ایک مسئلہ آپ بتائیں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ ایک شخص نماز کے وقت بے ہوش ہو۔ یعنی پانچ دس منٹ پہلے اور اسے ہوش کب آیا جب آفتاب طلوع ہو گیا۔ وقت نماز یہ بے ہوش رہا۔ تو بتایئے اس پر نماز کی قضا واجب ہو گی یا نہیں۔ نہیں واجب کیونکہ۔ اس لئے کہ اس حالت میں وہ مکلف

ہی نہیں۔ میری امت سے نو چیزیں بر طرف ہیں۔ ایک سہو ایک نسیان وغیرہ۔ اور اگر سویا نماز سے دو منٹ پہلے اور جاگا طلوع آفتاب کے بعد۔ اور سویا نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے۔ تو اب اس پر قضا واجب ہے۔ دونوں میں فرق ہے کیا ؟ بے ہوشی میں مکلف نہیں۔ مگر سونے میں مکلف ہے۔ امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں۔ بے ہوش ادھر سے ہے وہ معاف کر دے گا۔ مگر نیند ادھر سے ہے آپ سے ہے معاف نہیں کرے گا۔

۴۔ نوم اللعنت : لعنت کی نیند جب تک وہ سو رہا ہے لعنت برس رہی ہے۔ یہ کون سی ہے ؟ یہ وہ ہے کہ جو آنکھ کھل گئی۔ طلوع آفتاب تک وقت ہے نماز پڑھنے کا۔ دیکھا کہ ابھی دیر ہے۔ گھڑی تو رکھی ہے۔ ابھی دیر ہے وہ سو گیا۔ یہ ہے لعنت کی نیند۔ لعنت کے معنی تو معلوم ہیں۔ یعنی اللہ سے دور۔ رحمت سے دوری۔ ابلیس پر لعنت کیوں ہے ؟ کہ وہ رحمت سے دور کر دیا گیا ہے۔

۵۔ نوم الراحت : آرام کی نیند۔ یہ دوپہر کی نیند۔ قیلولہ۔ اگر وقت مل جائے۔ تو کھانا کھا کر ذرا سو جائیں۔ خواہ دوکان پر ہی ذرا۔ یہ ہے آرام راحت کی نیند۔

۶۔ نوم الرخصت : رخصت کی نیند۔ وہ کون سی ہے۔ وہ ہے عشاء کے بعد۔ تمہارے سونے کا وقت۔ یہ نوم رخصت ہے۔

۷۔ نوم الحسرت : حسرت کی نیند۔ لیلۃ الجمعہ ' شب جمعہ جب پردہ ہٹے گا تو معلوم ہو گا۔ اور کہے گا کہ کاش شب جمعہ نہ سوئے ہوتے۔ اس لئے کہ عصر ہی کے وقت سے ایک منادی آواز دیتا ہے کہ ہے کوئی توبہ کرنے والا۔ ہے کوئی مغفرت طلب کرنے والا۔ جب شب جمعہ آئی تو آواز آتی ہے۔ ہے کوئی دعا کرنے والا۔ ہے کوئی توبہ کرنے والا ہے کوئی مغفرت طلب کرنے والا شب جمعہ

کی برکت سے۔ شب جمعہ ارواح انبیاء عبادت کے لئے کربلا میں آتی ہیں۔ بارگاہ احدیت سے اجازت طلب کر کے وہاں آتی ہیں۔ اگر سویا تو حسرت کی نیند۔ شب جمعہ ثواب بڑھا دیا جاتا ہے۔ شب جمعہ نیکیاں دگنی کر دی جاتی ہیں۔ اور دنوں میں نیکیاں کرو تو ثواب اور ہے۔ مگر شب جمعہ اور روز جمعہ ثواب دگنا کر دیا جائے گا۔ تو جب معلوم ہو گا تو حسرت نہ ہو گی ؟ تو یہ ہے نوم حسرت۔

یہ قسمیں ہوئیں نیند کی

یہ نیند وہ ہے۔ بڑے بڑے مسئلے حل ہو جاتے ہیں۔ امیرالمومنینؑ فیصلے میں اسی نیند کو کام میں لائے۔ میراث میں کام میں لائے ۔ ایک دھڑ۔ دو سر والا معاملہ۔ یہ وہ زمانہ نہیں تھا کہ بچہ پیدا ہوا اور ہسپتال میں چھوڑ کر چلی گئی۔ یہ اخبار ہے۔ میں تو اخبار آل محمدؑ کو پیش کرتا ہوں۔ آل محمدؑ نے معاشرے کی ہر چیز کو بیان فرمایا ہے۔ امام محمد باقرؑ کے پاس فلسطین سے ایک وفد آیا۔ الصمد کے منی دریافت کرنے کے لئے۔ آپ نے معنی بیان کرنے کے بعد فرمایا۔ اگر ان علوم کے حاملین ہوتے جو اللہ نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ ہم لے کر آئے ہیں۔ ان کا بار اٹھانے والے ہوتے تو میں صرف الصمد سے تمام ادعیان۔ شرائع ' قیامت تک آنے والی چیزیں بیان کر دیتا۔ میں کس کے سامنے بیان کروں۔ لینے والے بھی تو ہوں۔ اور لینے والے مجھے کہاں ملیں گے جب میرے جدا امجد علی مرتضیٰؑ کو نہیں ملے۔

امیرالمومنینؑ فرماتے تھے کہ اس سینے میں علم کا سمندر موجزن ہے۔ کس کے آگے بیان کروں۔ یہ سمندر موجزن ہوتا تھا تو آپ کنویں میں منہ ڈال کر بیان فرماتے۔ کبھی سلمان رضی اللہ عنہ مل گئے ان سے۔ کبھی کمیل مل گئے ان سے۔ کبھی اباذر مل گئے ان سے بیان کیا۔ بسا اوقات حضرت پریشان ہو جاتے تھے۔

علوم آل محمدؑ سے دل چسپی پیدا کیجئے۔ کوئی ایسی چیز نہیں جو انہوں نے

بیان نہ کی ہو۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کبھی نہ فرماتے کہ دیکھو جب کبھی کوئی حادثہ پیش آئے تو تم ہماری حدیث کو نقل کرنے والے کی طرف رجوع کرو۔ حوادث جمع حادثے کی ہے۔ حادثے کا مطلب اچانک پیش آنے والا واقعہ' مسائل' علوم جدید' مسائل جدید اس سے مراد ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ تمام حوادث جملہ مسائل' دیرانہ و جدید' پر معصومینؑ کا کلام۔ بیان حجت ہے۔ امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ کوئی چیز نہیں جو قرآن مجید میں نہیں ہے۔ اگر آپ مجھ سے پوچھیں۔ یعنی ہم علماء کرام اور میں نہ بتا سکوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ قرآن میں نہیں۔ کیونکہ ہماری اصل جہالت ہے ۔ ہاں جنہیں قرآن کا علم دے کر بھیجا گیا ہے۔ ان کا فرمان قرآن کے متعلق دلیل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو چیز ہم بیان کریں۔ کوئی چیز بھی ہو۔ تو یہ سوال نہ کرو کہ قرآن میں کہاں ہے۔ اس لئے کہ ہم وہی کچھ بیان کرتے ہیں جو قرآن میں ہے۔ بغیر قرآن بیان نہیں کرتے۔ چلتے وقت ہی تو کہہ گئے تھے۔ کہ میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ کتاب اللہ' عترت اہل بیتی۔ اگر ان کا کلام موجود ہے تو یہ دلیل ہے کہ قرآن میں ہے۔ یہ سوال کرنا کہ قرآن میں کہاں ہے۔ اس کے وہی معنی ہیں کہ قرآن ہمارے لئے کافی ہے۔ انہوں نے عربی میں کہا تھا۔ یہ اردو میں فرما رہے ہیں۔ معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔ قرآن میں پیغمبرؐ کے لئے سند ہے کہ آپ خلق عظیم کے مرتبے پر فائز ہیں۔ خلق مجسم خلق عظیم ہوتے ہوئے آپ نے اس کلمے پر کہ کتاب کافی ہے اس کو نکال دیا۔

امیرالمومنینؑ نے اس نیند پر فیصلہ کیا۔ ایک بچہ عورت کے پیدا ہوا۔ اس کی ایک کمر دو سر۔ اب مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ یہ ایک ہے کہ دو۔ وراثت کیسے ہو۔ پریشان ہو کر امیرالمومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حضور مسئلہ حل فرمائیں۔ آپ نے فوراً فرمایا کہ اس کا نیند سے امتحان لو جب سویا ہو تو اس کو

جانچوں۔ اسے جگاؤ۔ اگر دونوں سر ایک ہی ساتھ جاگیں تو سمجھو ایک ہے۔ اگر ایک سر جاگے اور ایک نہ جاگے تو سمجھو دو ہیں۔ صادق آل محمدؑ فرماتے ہیں کہ امیرالمومنینؑ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ میں آپ کا دوست ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ اس نے قسم کھائی کہ حضور میں تو آپ کا دل سے دوست ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ سن۔ خداوند کریم نے ارواح کو اجسام سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا۔ اور تمام روحوں کو ہمارے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ یہ ہیں تمہارے دوست۔ اور یہ ہیں تمہارے دشمن۔ ہمارے دوستوں کی اس فہرست میں تیرا نام ہی نہیں ہے۔ آپ کے پاس اپنے دوستوں کی فہرست ہمہ وقت سامنے ہے۔ اسی طرح ایک شخص اور آگیا۔ آپ کے ہاتھ میں چھڑی کو ادھر ادھر گھمایا۔ طبقات کا معائنہ فرمایا۔ اور کہا کہ "لا" نہیں تو میرا دوست نہیں۔ اسی اثناء میں ایک دوسرا شخص آیا اور عرض کی مولا میں آپ کا دوست ہوں۔ اپ نے چھڑی کو گھمایا۔ ذرا ہٹ کے اور فرمایا کہ ہاں تو ٹھیک کہتا ہے۔ ہماری تمہاری طینت ایک ہے۔ آپ نے اس مٹی کی طرف اشارہ فرما کے آپ نے فرمایا کہ ہماری طینت سے بچ گئی تھی۔ اس سے تم پیدا ہوئے ہو۔ میں اسی مٹی کو دیکھ رہا تھا۔ اب ایک تیسرے صاحب آ گئے۔ اس نے کہا حضور میں آپ کو دوست رکھتا ہوں۔ مگر اس کے ساتھ فلاں فلاں کو بھی دوست رکھتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا کہ دیکھو یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اپنے کو ایک آنکھ والا نہ بناؤ۔ دو آنکھ والا بناؤ۔ یعنی کانے مت بنو۔ کانا اور ہے اندھا اور ہے۔ آپ کی محبت کا عہد تمام عوالم سے لیا گیا۔ کل میں نے بتایا تھا کہ آسمانوں میں اجرام فلکی میں عوالم ہیں۔

نیند کے اثرات کئی قسم کے ہیں۔ میں مطلب پر آ رہا ہوں۔ حضرت آدمؑ کو جنت میں ذرا سی اونگھ آ گئی تھی۔ تو کیا ہوا کہ یہ چوٹ ہو گئی۔ جناب امیرؑ

کی ایک حدیث ہے وہ یاد رکھیں۔ کہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ اگر وہ کم بھی ہوں تو اسے زیادہ سمجھیں۔

۱۔ المرض : بیماری۔ یہ اگر کم بھی ہو تو اسے کم نہیں سمجھنا چاہئے۔ یہ زیادہ ہے۔

۲۔ النار : آگ۔ کم آگ زیادہ ہے۔ کبھی قلیل نہ سمجھو۔

۳۔ العداوت : دشمنی۔ دشمنی اگر قلیل بھی ہو تو اسے قلیل نہ سمجھو۔ یہ زیادہ ہے۔ ذرا سی عداوت ہے۔ اس کے سبب سے غیبت کی' جھوٹ بولا' تہمت لگائی' نتیجہ قتل تک پہنچ جاتا ہے۔

۴۔ النوم : نیند۔ کم نیند یہ کثیر ہے۔

زہرۃ الریاض اہل سنت کی کتاب ہے۔ اس میں ہے کہ جنت میں جناب آدمؑ کو نیند آگئی تھی۔ تو جنت میں رہنے والوں کا تاج حضرت آدمؑ کے سر سے اڑ گیا تھا۔ ذرا سی آنکھ لگی تھی۔ حکم ہوا کہ حضوری اور نیند یعنی بارگاہ احدیت میں حضوری اور نیند دونوں کیسے جمع ہو سکتے ہیں۔ حوریں اور ملائکہ کہنے لگے۔ میں بتانا چاہتا ہوں کہ جناب امیرالمومنینؑ کے کلام کو سمجھئے کہ قلیل نیند کثیر ہے۔ ذرا سی نیند آئی تھی۔ تاج حضرت آدمؑ کے سر سے آڑ گیا۔ حضرت داؤد کو نیند آنے لگی تو فرمایا نبوت اور نیند دونوں کو جمع کر رہے ہو۔ خلیل کو جب نیند آئی ہے تو فرمایا خلیل' خلت اور نیند یہ کیا معاملہ ہے۔ اور پیغمبرؐ سے فرمایا کہ یا ایہا المزمل قم اللیل - کہ رات کو قیام۔ قیام ایل کرو۔ جب آپ نے اتنی عبادت کی تو فرمایا یہ اس لئے نہیں کہ تم اپنے آپ کو مشقت میں ڈال لو۔ الا قلیلہ۔ نصف شب یا کم یا زیادہ۔ یہ نصف کیوں کہا۔ یاد رکھئے اور سمجھ میں آجائے تو میرے لئے دعا کیجئے۔

امت کے لئے حکم ہے کہ جب حضر میں ہو تو چار رکعت نماز پڑھے۔ لیکن

اگر سفر میں ہو تو دو رکعت یعنی "نصف" اگر امت کے لئے یہ ہے تو پیغمبرؐ رحمت العالمین کے لئے۔ جب وہاں تھے تو شب و روز عبادت ہی عبادت تھی۔ یعنی وطن میں اور جب ان کو یہاں اس عالم میں بھیجا یعنی سفر میں۔ یہ سفر ہی تو تھا۔ تو کہا نصف شب نماز پڑھو قصر۔ اس میں بھی ایک اشارہ ہے۔ کہ یہاں کے نہیں۔ ان کے لئے یہ سفر ہے۔ یہ تو ہماری آپ کی ہدایت کے لئے چند دن کے لئے یہاں آئے۔ یہ تو ان کا خلق ہے کہ ہماری ہدایت کی خاطر انہوں نے جامہ بشریت قبول فرمایا۔

آنحضرتؐ نے جبرائیلؑ آمین سے فرمایا کہ اے امین وحی اللہ تم جو وحی لے کر فورا" نازل ہو جاتے ہو۔ کبھی آنے جانے میں تھکن بھی محسوس ہوئی۔ تو جناب جبرائیلؑ امین نے عرض کی۔ یا رسول اللہ چار موقعوں پر مجھے تھکن کا احساس ہوا۔

۱۔ جب خلیل خدا کو آگ میں ڈالنے لگے تو مجھے حکم ہوا کہ فورا" پہنچو۔ پیشتر اس کے وہ آگ میں ڈال دیئے جائیں۔ اور ان سے پوچھوں کہ کوئی حاجت ہے۔ اس وقت مجھے تھکن کا احساس ہوا۔

۲۔ جس دن ابراہم نے ذبح کے لئے اپنے فرزند کو لٹایا اور گلے پر چھری رکھ دی۔ مجھے حکم ہوا کہ فورا" پہنچوں اور جا کر چھری کا رخ پلٹ دوں۔ اس دن مجھے تھکن کا احساس ہوا۔

۳۔ تیسرے اس دن جب حضورؐ کے دندان مبارک شہید ہوئے مجھے حکم ہوا۔ کہ فورا" پہنچوں اور خون کو زمین پر نہ گرنے دوں۔

۴۔ حضرت یوسف کو کنویں میں گرا دیا گیا تو مجھے حکم ہوا کہ فورا" پہنچوں اور قبل اس کے کہ وہ پانی تک پہنچیں انہیں روک لوں۔ اس دن تھکن کا احساس ہوا۔

یہ چار موقعوں پر میں خستہ ہو گیا۔ جب حسینؑ عاشور کے دن نانا کے پاس پہنچے ہوں گے تو آپ نے پوچھا ہو گا کہ بیٹا تم نے آج 72 لاشے اٹھائے ہیں۔ جس جس نے تمہیں پکارا پہنچے۔ یہ بتاؤ کہ اس عاشور کے دن تم نے اتنے جنازے اٹھائے ہیں۔ تمہیں کس کس موقعہ پر تھکن کا احساس ہوا۔ عاشور کے دن حسینؑ کے اہم مشاغل میں ایک یہ تھا کہ لاشوں کو اٹھانا اور خیمے میں لانا۔ وہی ایک مظلوم تھے کہ جس کی لاش کو اٹھانے ولا کوئی نہ تھا۔ کتنی آوازیں آ رہی تھیں۔ حسینؑ کو کبھی یا مولا' اور کبھی یا ابتاہ ادرکنی۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ کسی شہید کے لاشے پر پہنچے تو اس کا سر اپنی آغوش میں لے لیا۔ لیکن یہ کہ کسی کو دفن نہیں کیا۔ صرف ایک شہید ایسا تھا کہ جس کو امام نے دفن کیا۔ نام لے لوں۔ جس کی شہادت پر حسینؑ کی مظلومیت کی انتہا ہو گئی۔ وہ حسینؑ کا شیر خوار فرزند۔ جب ماں کو معلوم ہوا کہ میرا فرزند تیر سہ شعبہ کا نشانہ بنا۔ تو فرماتی ہیں کہ بیٹا کیا تیرے سن و سال کا بچہ بھی نہر کیا جاتا ہے۔

کس قدر سنگ دل تھا حرملہ۔ تین پھلوں والا تیر۔ تعارفا" اتنا بتا دوں کہ آج بانیان مجلس کا ارادہ ہے کہ علم نکلے گا۔ یہ علم معلوم ہے کون سا ؟ یہ کہاں گرا۔ یہ گرا ہے وہاں' آپ قیامت کے دن دیکھیں گے یہ علم۔ اور اس علم کے سایہ میں آپ سب ہوں گے۔

امام زین العابدینؑ متواتر خبریں آ رہی ہیں کہ قاتلان حسینؑ کو مختار قتل کر رہا ہے۔ ہر آنے والے سے پوچھتے ہیں کہ حرملہ کا کیا ہوا۔ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ امام کو صدمہ کتنا تھا۔ ایک بچے کی جان لینے کے لئے تو ایک عام تیر کافی تھا۔ مگر تین پھلوں والا تیر۔ بچہ امام کے ہاتھوں پر تیر لگنے کے بعد تڑپنے لگا۔ اللہ اکبر۔ تیر کھا کر بچہ منقلب یعنی منہ کے بل ہو گیا۔ کہا بابا میں تیر کھا کر منہ کے بل ہو گیا۔ آپ کو بھی پس گردن ذبح کیا جائے گا۔ امامؑ زیارت میں فرماتے ہیں کہ

سلام ہو اس مظلوم پر جسے پس گردن سے ذبح کیا گیا۔ تو پیغمبرؐ سوال کریں گے کہ بیٹا عاشور کے دن تم نے بڑی محنت کی بڑی لاشیں اٹھائیں۔ یہ تو بتاؤ کس موقع پر تم نے تھکن محسوس کی۔ میرا خیال ہے کہ مظلوم امامؑ کہے گا کہ ناناؐ چار موقع ایسے آئے کہ میں تھک گیا۔ ایک تو جب علی اکبر گھوڑے سے گرے اور آواز دی۔ علی اکبر کے گھوڑے نے ایک خدمت سرانجام دی۔ اس نے سمجھا وہ اپنی دانست میں امام کو سمجھا رہا تھا۔ آگے آگے دوڑ کر میں نے علی اکبر کو وہاں چھوڑا ہے۔ حضرت یا علی یا علی کہے جاتے تھے۔ یہ نہیں معلوم کہ اپنے بابا کو پکارتے تھے کہ اپنے بیٹے کو۔ دوسرے جب میرا بھتیجا قاسم گرا۔ اور آواز دی کہ چچا میری مدد کو آیئے۔ جب میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ قاسم کی لاش گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندی ہوئی ہے تو میں نے جنگ کر کے کفار کو بھگانا شروع کیا تو قاسم نے آواز دی کہ چچا جان اب جنگ روک دیجئے۔ میرے سینے کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں ہیں۔ تیسرے جب میرے بھائی نے مجھے آواز دی یا اخی ادرکنی اور میں چلا۔ معلوم ہے۔ حسینؑ کا کیا حال تھا۔ ایک ہاتھ کمر پر تھا اور فرما رہے تھے۔ میری کمر ٹوٹ گئی ہے۔ جب مولا یہ فرما رہے ہیں تو زینبؑ کی کمر کا کیا حال ہو گا۔ یا حسینؑ یا حسینؑ یا حسینؑ

☆☆☆☆☆

مجلس چہارم

....

له ما فی السموات و ما فی الارض - اس میں "ل" حرف جار ہے۔ عربی زبان میں دو قسم کے حرف ہوتے ہیں۔ عاملہ اور غیر عاملہ۔ ایک قسم حروف کی عمل کرنے والی۔ جو عمل کرتے ہیں۔ اور جو عمل نہیں کرتے۔ انہیں حروف غیر عاملہ کہتے ہیں۔ حروف عاملہ دو قسم کے ہیں ایک قسم حروف عاملہ کی وہ ہے جو فعل میں عمل کرتے ہیں۔

فعل مضارعہ جیسے "ان" جیسے انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس۔ یذهب فعل مضارع ہے اور مضارعہ کا آخری حرف مضموم ہوتا ہے۔ یعنی اس پر پیش ہوتا ہے۔ لیکن یہاں زبر ہے۔ یعنی فتح ہے۔ ل اور فعل کے درمیان میں یہاں "ان" چھپا ہوا ہے۔ اس نے اسے زبر دیا ہے۔ یعنی پیش کی بجائے زبر۔ یعنی (ل) ان یذهب اصل میں ان یذهب۔ تو "ان" جب فعل مضارعہ میں داخل ہوتا ہے تو اس کو زبر یعنی فتح دے دیتا ہے۔ توجہ "ان" ہے یا لا" ہے کہ اذا" یہ وہ حروف ہیں جو فعل مضارع کے آخر کو فتح دے دیتے ہیں۔ زبر دے دیتے ہیں۔ بجائے پیش کے۔ ان یدخله۔ اسلمتلک ادخل جنته - یہ ادخل جنته ہے۔ مگر (ک) اور فعل مضارع کے درمیان (ان) چھپا ہوا ہے۔ اس لئے ادخل فتح ہو گیا۔

حروف غیر عاملہ میں حروف عاطفہ۔ و' ثم' حتیٰ' یہ وہ حروف ہیں کہ جو عمل نہیں کرتے۔ توجہ یہ (ل) حرف جار ہے۔ یہ حروف عاملہ ہیں۔ یہ اسم پر داخل ہوں گے اور جس اسم پر داخل ہوں گے۔ اس کو زیر دے دیں گے۔ یہ حروف جارہ جس اسم پر بھی داخل ہوں گے۔ اس کے آخر میں زیر آجائے گا۔ (للذیذ)

زیر کیوں آیا ہے۔ اس (ل) کی وجہ سے۔ یہ زیدا ہوتا مگر لام داخل ہونے سے زید ہو گیا۔ لزید۔ اکمال لزید۔ زیدا پر زیر کیوں آیا للہ۔ یہ اللہ پر زیر کیوں آیا ؟ ۔ اس (ل) کی وجہ سے۔ حروف جار ہیں۔ یہ یاد رکھئے کہ وہ متعلق چاہتا ہے یعنی کہ یہ حروف جہاں بھی آ جائیں گے۔ تو سمجھ لیجئے کہ یہ ضروری نہیں وہاں ذکر ہو۔ متعلق وہاں محذوف ہو گا۔ یعنی فعل وہاں پر۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ ترجمہ کیا کریں گے۔ شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے ۔ اس میں شروع کرتا ہوں حذف ہے۔ فعل حذف ہے۔ یہ (ب) کی وجہ سے۔ (ب) سے پہلے ایک فعل وہاں محذوف ہے۔ وہ کیا ہے ؟ شروع کرتا ہوں۔ یہ عربی زبان کا قاعدہ ہے۔ اسے یاد رکھئے۔ شروع کرتا ہوں وغیرہ یا جس چیز سے پہلے بسم اللہ کہہ رہا ہے اس کی مناسبت سے۔

الحاصل حروف جار کے لئے ایک متعلق کا ہونا ضروری و لازمی ہے۔ تو یہ لام۔ ایک ایک حرف بہت سے معنوں کے لئے آتا ہے۔ تو یہ (ل) للملک کے لئے آتا ہے۔ یہ لام تملیکی ہے۔ اب اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک ہے ملک۔ ملک اختصاص اور دوسرا ملک غیر اختصاص۔ وہ لام للملک اختصاص ہے ۔ آیت میں ایک قانون یہ ہے۔ یہ سمجھانا چاہتا ہوں۔ تاکہ آپ کو احساس ہو جائے عربی زبان کی وسعت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ صرف اس لام پر بولا جائے تو آج کی مجلس تمام ہو جائے۔ میں نے بہت مختصر خلاصہ بیان کیا ہے ۔ صرف ل صرف اس کو بیان کرنے کے لئے کہ۔ لہ کی لام کا کیا کیا عمل کرتا ہے یہ لام۔ الحاصل لہ میں یہ لام حرف جار ہے۔ اور یہ تملیک اختصاص کے لئے آیا ہے۔ اسی طرح الحمد للہ۔ للہ میں یہ لام حرف جار ہے۔ اور تملیک اختصاص ہے۔ اس سے پہلے ایک متعلق کا ہونا ضروری ہے۔ عربی زبان کا یہ قاعدہ ہے۔ اسے یاد رکھئے۔

دوسرا قانون۔ قاعدہ' تاکہ مطلب واضع ہو جائے اس آیت کا۔ آیت

الکرسی کی آیت ہے۔ یہ عربی زبان میں جملہ کیوں کلمے سے بن جاتا ہے۔ وہ کلمہ اب وہ دونوں کلمے چاہے اسم ہوں یا فعل ہوں۔ اگر دونوں اسم ہوں تو اس کو جملہ اسمیہ کہیں گے۔ اگر جملہ فعل سے شروع ہو تو اس کو جملہ فعلیہ کہیں گے۔ اگر ظرف سے شروع ہو تو اس کو جملہ ظرفیہ کہا جاتا ہے۔ اور کبھی دونوں کے درمیان یعنی مبتدا اور خبر کے درمیان ایک جملہ آجاتا ہے۔ تو اس کو جملہ معترضہ کہہ دیتے ہیں۔ اس کا ربط تعلق نہ ما قبل سے ہوتا ہے اور نہ مابعد سے۔ جسے اثنائے موضوع میں کوئی بات آگئی۔ درمیان میں تو اس کو جملہ معترضہ کہا جاتا ہے۔ عربی زبان میں۔ اب یہ آیت پوری ایک جملہ ہے۔ له مافی السموات و ما فی الارض - یہ بھی یاد رکھئے کہ مرکب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مرکب اضافی اور ایک مرکب اضافی تام اور ناقص۔ مفید اور غیر مفید۔ تو مرکب غیر مفید یہ ہمیشہ جملہ کا جز ہو گا یعنی یا مبتدا واقع ہو گا یا خبر واقع ہو گی۔ اور اگر مفرد ہو تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جیسے اللہ واحد۔ اللہ واحد۔ دونوں اسم ہیں اگر الگ الگ ہوں۔ اور جب ترکیب میں آگیا تو اللہ مبتدا اور واحد خبر۔ مبتدا اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ بن گیا۔ علی ولی اللہ - علی ولی خدا ہے۔ محمد رسول اللہ۔ محمد خدا کے رسول ہیں۔ تو محمد مبتدا اور رسول اللہ خبر۔ مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔ یہ مبتدا ہمیشہ مقدم ہوتا ہے۔ پہلے آنا چاہیے۔

جب محمد رسول الله۔ علی ولی الله اگر کہیں جہاں خبر کو مقدم کر دیا جاتا ہے۔ جب کلام میں تاکید مقصود ہو تو۔ الحمد لله کہا۔ مطلب الحمد مبتدا ہوا' لله خبر۔ کیا معنی یہ تمام تعریف ساری حمد اللہ کے لئے ہے۔ اور اسے مقدم کو موخر اور موخر کو مقدم کر دیا جائے۔ جیسے لله الحمد - اب کیا معنی ہو گئے۔ یعنی صرف حمد اللہ ہی کے لئے ہے۔ ادھر آپ نے مقدم کیا خبر کو تو حصر کا مفہوم۔ یعنی تمام ساری پیدا ہوا۔ کلام میں زور بھی آگیا۔ اور تاکید بھی آگئی۔ تو

اس آیت میں جس کو میں نے سرنامہ قرار دیا۔ آج کی مجلس کا (له ما فی السموات و ما فی الارض) یہ اصل میں ما فی السموات ہے مبتدا اور لہٗ ہے خبر۔ خبر کو کیا ہونا چاہئے ؟ ۔ خبر کو موخر ہونا چاہئے۔ جیسے ما فی السموات له و ما فی الارض له ۔ کیا مطلب ہوا۔ یعنی جو کچھ آسمانوں میں ہے اس کا ہے۔ اس کی ملکیت ہے۔ یہ تو معنی ہو گئے دوہرے۔ لیکن اگر آپ اسے مقدم کر دیجئے تو کیا معنی ہوں گے ؟ یعنی جو کچھ آسمانوں میں ہے فقط صرف اسی کا ہے۔ یعنی اس ملکیت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ له کو بتانے کے لئے اسے مقدم کر دیا کہ اس ملکیت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ ملکیت اس کے ساتھ مختص ہے۔ یعنی جس کے مالک ہونے میں اس کا کوئی شریک نہ ہو عبادت کے لائق وہی ذات ہے۔ مشرکین بھی اپنے معبودوں کو کائنات کا مالک سمجھتے تھے۔ مالک جانتے تھے۔ جس طرح کالولھا لنگڑا۔ جس قسم کا بھی سمجھتے تھے۔ یہاں یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ جو مملوک ہو۔ یعنی جو تمہارا معبود ہے اس کا بھی وہ مالک ہے۔ اور تمہارا بھی وہ مالک ہے۔ تم بھی مملوک تمہارا معبود بھی مملوک۔ یہ سزاوار نہیں ہے کہ ایک مملوک دوسرے مملوک کی عبادت کرے۔ ایک مخلوق دوسرے مخلوق کی عبادت نہیں کر سکتی۔ دوسری آیت میں اسی کو تو صاف کیا ہے کہ "الذین تدعون من دون الله" (پارہ ۷ رکوع ۱۳ اور پارہ ۲۴ رکوع ۱۲ سورہ الانعام اور سورہ المومن)۔ جس کو تم پکارتے ہو اللہ کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر وہ بھی تو تمہارے جیسے بندے ہیں۔ وہ بھی مخلوق ہے۔ مالک حقیقی صرف وہی خالق ارض و سموات ہے۔ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے بشر اس کا مالک نہیں ہو سکتا۔ اس کا مالک صرف اللہ ہی ہے۔ مالک حقیقی نے صرف بشر کو حدود کے اندر۔ حدود شرع کے اندر رہ کر استفادے کی اجازت دی ہے مالک حقیقی نے۔ پھل دار درخت کی نسبت انسان سے کس قدر ہے۔ اس کو باقی

رکھے۔ میوے حاصل کرنے کے لئے اسے باقی رکھے۔ خود استفادہ کرے۔ اس گیہوں سے یا دوسرے پھل سے۔ یا اسے فروخت کردے۔ اسے کاٹ دے درخت کو۔ اس سے زیادہ کا وہ مالک نہیں ہے۔ حقیقی مالک اس درخت کا کون ہے۔ وہ وہ ہے۔ کہ جس نے جمیع اجزائے درخت کو پیدا کیا۔ جس نے اسے وجود دیا۔ جس نے اسے نمو کی قدرت دی۔ اور پانی سے سیراب ہونے کی استعداد دی۔ جس نے اس کو حیات دی۔ حقیقی مالک درخت کا وہی ہے۔ اس نے تو اجازت دے دی ہے کہ تم اس میں تصرف کر سکتے ہو حدود کے اندر رہ کر۔ اور پیغمبروں نے آکر اس میں تصرف۔ اس کی اجازت دے دی کیونکہ وہ اس کے نمائندے ہیں

قرآن میں ارشاد ہے (ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا (پارہ ۱ رکوع ۳ سورہ البقرہ)۔ جو کچھ زمین میں پیدا کیا گیا وہ تمہارے فائدے کے لئے ہے۔ قرآن مجید میں' توجہ۔ دو قسم کی آیتیں ہیں۔ اس آیت الکرسی میں اس کی ملکیت کو لفظ قیوم کے ذریعے سے بیان فرمایا۔ (الحی القیوم) دوسری آیتوں میں اس کی ملکیت کو قرآن نے لفظ (ملک) کے ذریعے سے۔ لہ ملک السموات و الارض یحی ویموت وھو علی کل شی قدیر (پارہ ۲۷ رکوع ۱۷ سورہ الحدید) بیدہ الملک۔ (پارہ ۲۹ رکوع ۱ سورہ الملک) ملک کے ذریعہ سے اس کی ملکیت کو ملک کے ذریعہ سے بیان فرمایا۔ متعدد آیتیں اس سلسلے میں ہیں۔ (بجائے ضمیر) اللہ ملک السموات والارض کہ آسمانوں اور زمینوں میں اس کی سلطنت اور ملک صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ اور کسی کے لئے نہیں اور آدمی ؟ یہ بتایا کہ اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا۔ اور اس زمین میں تم کو آباد کیا۔ یا اس زمین کو تمہارے لئے مستعملہ بنایا۔ یعنی تم اس زمین پر آکر کوشش کے ساتھ عقل کے ساتھ اس دنیا کو آباد کرو۔ حدود شرع میں رہ کر اس

سے فائدہ حاصل کرو۔ تمہارے فائدے کے لئے اس کو بنایا۔ زمیں کا فرش بچھایا۔ تو تم اس میں کھیتی کرو۔ مکان بناؤ۔ مگر اس زمین کا اپنے کو مالک نہ سمجھنا۔ آدمی اس میں گیہوں ڈالتا ہے۔ اس کی فصل سے سال کا خرچ نکال کر فائدہ حاصل کرتا ہے۔ مگر وہ اس کا حقیقی مالک نہیں ہو سکتا۔ یہ زمین اور پانی اس کا حقیقی مالک وہی ہے۔ کہ جس نے زیر زمین' زیر خاک دانے کو شگافتہ کر دیا۔ اس کا تو اتنا حق ہے کہ حدود شرع میں رہ کر اس سے استفادہ حاصل کرے۔ زمین اللہ کی ملک ہے۔ پانی اللہ کی ملک ہے۔ آفتاب اللہ کی ملک ہے۔ اسے بس اتنی اجازت ہے۔ اللہ کے ملک میں اتنا تصرف کرے کہ وہ دانہ ڈال دے۔ نکلی آئے تو بس اگ گیا۔ نہ نکلے تو بس زمین میں ہے۔ حقیقی مالک تو وہی ہے جو اس کو اگا رہا ہے۔ اور وہ اپنی مالکی کو بیان فرما رہا ہے۔ (افریتم ما تحرثون انتم تزرعونہ ام نحن الزارعون (پارہ ۲۷ رکوع ۱۵ سورہ واقعہ)۔ کیا تم نے غور کیا سمجھا کہ زمین میں جس دانے کو۔ گندم کو تم ڈالتے ہو۔ کیا تم اسے اگاتے ہو کہ ہم اگاتے ہیں۔ یہ جو پانی تم شب و روز پیتے ہو۔ کیا تم نے اسے برسایا ہے یا ہم نے برسایا ہے۔ بادل سے ہم برساتے ہیں۔ پانی کا مالک کون ہے۔ اللہ تعالیٰ جو برساتا ہے۔ وہی مالک (افریتم النار التی تورون) (پارہ ۲۷ رکوع ۱۵ سورہ واقعہ) یہ آگ جو تم سلگاتے ہو۔ اس کا درخت تم نے پیدا کیا یا ہم نے اس درخت کا مالک اللہ ہی ہے۔ انسانوں کا بھی مالک تو اللہ ہی ہے۔ کیا یہ نطفے سے آدمی کو۔ غور کرو فکر کرو۔ کس نے پیدا کیا۔ کیا تم پیدا کرتے ہو۔ یا ہم پیدا کرتے ہیں۔ تو جس نے پیدا کیا وہی مالک ہے۔ اس کی ما لکیت کا اقرار کرنا پڑے گا۔ اس کلمے کا اقرار کرنا پڑے گا (ان للہ و انا الیہ راجعون) (پارہ ۲ رکوع ۴ سورہ البقرہ)

امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ ان للہ یہ لام ملکیت ہے۔ کہ ہم اللہ کی ملک ہیں۔ اور اسی طرف پلٹ کے جائیں گے۔ تو اس آیت میں (لہ ما فی

السموات ومافی الارض) جو کچھ آسمانوں میں ہے اس کی ملک ہے۔ اور جو کچھ زمینوں میں ہے اس کا ہے۔ وہی مالک ہے۔ انسان مالک نہیں۔ عام انسانوں کو اس نے پیدا کیا کہ تم اس زمین پر تصرف کر سکتے ہو۔ انسان مالک نہیں ہے۔ انسان مالک نہیں ہے۔ مگر حدود میں رہ کر۔ مالک حقیقی وہی ہے (لم یکن له شریک فی الملک) (پارہ ۱۵ رکوع ۲ سورہ بنی اسرائیل) اور اس مالکیت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ حقیقی مالک کا ارادہ۔ واجب الوجود ہے۔ خالق الارض و سماء ہے حقیقی مالک وہی ہے۔ اب وہ جسے چاہے وہ اس کا مالک بنا دے۔ ایک چیز آپ کی ملک ہے۔ آپ جسے چاہیں اس کا مالک بنا دیں۔ آپ کو اختیار ہے۔ تو تمام کائنات کا مالک وہ تو اپنے بندوں میں جسے چاہے کائنات کا مالک بنا دے۔ اسے اختیار ہے۔ مالک جو ہوا وہ بنا سکتا ہے۔ تو اس نے اپنے تمام بندوں کو نہیں۔ کچھ ایسے منتخب بندے ہیں اس کے جن کو اس نے آسمان اور زمین دنیا اور آخرت اور (و ما فی هما) (پارہ ۲۵ رکوع ۱۳ سورہ الزخرف) کا مالک بنا دیا اور ان سب پر اطاعت ان کی واجب کر دی۔ وہ جسے چاہیں۔ جو کچھ چاہیں دے دیں۔ اس کی طرف سے اذن ہے۔ حکم ہے۔ جس کو جو چیز چاہیں۔ جتنی چاہیں دے دیں۔ مالک بنا دیا۔ سورہ اعراف میں ارشاد ہوتا ہے۔ (ان الارض لله) (پارہ ۹ رکوع ۵ الاعراف) یقیناً" زمین اس کی ہے۔ اللہ کی ہے۔ اپنے بندوں میں جس کو وہ چاہتا ہے اس کو وارث بنا دیتا ہے۔ وراثت کا لفظ۔ لفظ وراثت اس میں ایک نکتے کی طرف توجہ کرنا ہے۔ دیکھئے ہو سکتا ہے کہ کسی کا کوئی مال ہو تو کوئی دوسرا بھی کہہ سکتا ہے۔ دعویٰ کر سکتا ہے۔ کہ میں لے لوں اس کو۔ لیکن جب لفظ میراث آ جائے بہ عنوان وراثت تو یہ ضروری ہے کہ جسے وارث بنا رہا ہے اور جس کا وارث ہو رہا ہے۔ جس کا وارث بن رہا ہے۔ خاص ربط اور تعلق اس سے ہونا چاہئے۔ تو زمین ہے اللہ کی۔ اور وہ اس کی ملک ہے۔ مملوک ہے

واجب الوجود اب وہ جسے چاہے۔ (والعافیت للمتقین) اور نیک انجام متقین کے لئے ہے۔ امام فرماتے ہیں اس میں ہم مراد ہیں۔ اس آیت میں ہم مراد ہیں۔ زمین ہماری ہے اور اللہ نے ہم کو وارث بنایا ہے۔ اور نحن المتقین اور متقی تو ہم ہیں۔

دوسری آیت سورہ انبیاء میں بھی ہے (ولقد کتبنا فی الزبور من بعد ذکر ان الارض) (پارہ ۱۷ رکوع ۷ سورہ الانبیاء) کہ ہم نے تو اپنی کتاب میں ذکر کے بعد وہاں لکھ دیا ہے۔ یعنی جہاں پر ذکر ہے اس کے بعد وہاں لکھ دیا ہے۔ کہ اس کے وارث ہوں گے۔ اس کے بندے جو صالح ہوں گے۔ میں نے عبودیت کے معنی بتائے تھے۔ کہ عبودیت وہ جوہر ہے کہ جس کی کل حقیقت وہ ماہیت اور عبودیت ہے۔ یعنی وہ اس منزل پر آجائے کہ اتنا بلند ہو جائے۔ کہ اس کا امر اس کا حکم عبودیت کا ہر شی میں نافذ ہونے لگے۔ حتیٰ کہ خالقیت میں بھی۔ بہ ایں معنی کے امر وہ کرے اور اللہ خلق کرے۔ یعنی وہ امر کرتا جائے اور اللہ خلق کرتا جائے۔ آپ دیکھیں نا۔ شیر کی صورت بنی ہے۔ امر ان کا ہے۔ امام کا ہے اور خلق کر دیا۔

دیکھو کہ جب وہ اس منزل پر پہنچ جائیں کہ جو کہیں ہو جائے تو امر ان کا۔ وہ وارث ہوں گے، اس زمیں پر۔ جس میں آپ دیکھ لیں کہ جو، جس چیز کو وہ چاہیں اور کہہ دیں کہ ہو جا۔ اور وہ ہو جائے تو ایسے بندے میرے صفات کے مالک ہوں گے۔

حدیث قدسی میں ہے اے ابن آدم میں رب ہوں۔ میں رب ہوں۔ میں شے سے کہتا ہوں ہو جا اور شے ہو جاتی ہے۔ تو میرا کہا مان لے۔ میری اطاعت کر۔ تو بھی جس شے کو کہے گا ہو جا وہ ہو جائے گی۔ تو میرا کہا تو مان لے۔ تو میرا ہو تو جا۔ تو میرا ہو جا۔ میں تیرا ہو جاؤں گا۔ تو وارث وہی ہوں گے جو جس چیز کو

کہہ دیں ہو جا اور وہ ہو جائے۔ ہم نے لکھ دیا ہے کتاب زبور میں کہ ذکر کے بعد کہ اس کے وارث ایسے بندے ہوں گے۔ ایسے عبد ہوں گے۔ حقیق کہ جو صالح ہوں گے۔ یعنی جو صلاح میں کامل ہوں گے۔ وہی وارث ہوں گے۔ توجہ روضہ کافی میں۔ کافی میں ہے۔ ایک ہے اصول کافی ایک ہے فروع کافی۔ اور ایک ہے روضہ کافی۔ یہ تین ہیں۔ جب یہ آتا ہے کہ کافی میں ہے تو اس کا مطلب ہے کہ انہی تینوں میں سے کسی ایک میں ہے۔ لیکن امام نے مطلق فرما دیا کہ کافی شیعوں کے لئے کافی ہے۔ تو روضہ کافی میں ہے۔ حدیث ہے روضہ لکھا ہو تو روضہ کافی مراد ہے۔ صادق آل محمدؑ فرماتے ہیں کہ حواریوں میں عبدالاعلیٰ۔ یہ کہتے ہیں کہ میں نے صادق آل محمدؑ کی خدمت میں عرض کی کہ ابن رسول اللہ یہ جو پروردگار عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے اے مالک الملک بتایا جاتا ہے کہ دعا کرو قل اللھم مالک الملک (پارہ ۳ رکوع ۱۱ العمران)۔ اے ہر قسم کے ملک کے مالک۔ ملک طویل، ملک جلیل، ملک کثیر، باقی فانی، ہر قسم کے ملک کے مالک۔ تو جس کو چاہے ملک دے دے۔ اور جس قسم کا چاہے ملک دے دے۔ جس کو چاہے بغیر مانگے دے دے جس کو چاہے مانگنے پر دے دے۔ آخر مالک الملک تو وہی ہے۔ تو آیت کے بارے میں عبدالاعلیٰ نے سوال کیا کہ وہ جو کہتا ہے کہ دعا کرو۔ قل اللھم مالک الملک تو اس نے بنی امیہ کو ملک نہیں دیا۔ تو آپ نے فرما۔ ویسا نہیں جیسا تو خیال کرتا ہے۔ مطلب تو نے نہیں سمجھا۔ ان اللہ اعطنی الملک۔ مالک حقیقی نے ملک ہم کو عطا کیا ہے۔ ہمیں دیا ہے۔ بنی امیہ نے اسے چھین لیا، لے لیا۔ اس کے بعد حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک کپڑا ہے کسی کا۔ اسے کسی نے چھین لیا تو جس نے چھینا ہے۔ یہ اس کا کپڑا نہیں ہے۔ یہ رہے گا اسی کا جو اس کا مالک ہے۔ اس طرح سے اللہ نے ملک ہم کو عطا کیا ہے۔

تو ملک اللہ نے ان کو عطا کیا۔ یہ جس کو چاہیں جتنا چاہیں۔ عطا کر دیں۔ تو جب ان کو دینے کی اجازت ہے۔ تو ہم کو مانگنے کی اجازت ہے۔ جب ان کو اجازت ہے دینے کی۔ تو ہم کو اجازت ہے مانگنے کی۔ اس سلسلہ میں مناقب ابن شہر آشوب میں ہے کہ جناب امیر المومنینؑ نے ایک وطی کو آپ نے تین سزاؤں میں مخیر فرمایا تھا۔ ان میں سے کون سی اختیار کرو گے تو اس نے آگ میں جلنے کو اختیار کیا۔ یعنی سنگسار کرو۔ آگ میں جلا دو تو اس نے پوچھا یا امیر المومنینؑ ان میں سب سے سخت سزا کون سی ہے۔ آپ نے فرمایا آگ میں جلنا۔ آگ تیار ہو گئی۔ اس نے اسے قبول کیا۔ اور دو رکعت نماز پڑھی۔ نماز کے بعد وہ دعا کرتا ہے۔ اے میرے معبود میں نے تیرے ولی مطلق کی خدمت میں اپنے کو پہنچا دیا۔ اور میں نے اپنا گناہ اپنا جرم بتا دیا۔ اور تیرے ولی مطلق نے مجھے اختیار دیا اور میں نے سخت سزا کو اختیار کیا۔ صرف اس لئے میں نے دنیا کی آگ کو اختیار کیا کہ قیامت کی آگ سے مجھے بچا لے۔ تو جب دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد یہ دعا کرتا جا رہا ہے۔ تو حضرت علیؑ رونے لگے۔ اور جتنے لوگ وہاں موجود تھے کوئی ایسا نہیں تھا کہ اس کی آنکھ میں آنسو نہ ہو۔ اس کے بعد حضرت اس سے فرماتے ہیں۔ کہ جا چلا جا۔ اللہ نے تیرے گناہ کو معاف کر دیا۔ چلا جا' یہاں سے ملائکہ رو رہے ہیں۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ علی ابن ابی طالبؑ ملائکہ کو دیکھ رہے ہیں۔ آواز بھی سنتے ہیں۔ ایک صاحب وہاں تشریف فرما تھے وہ بولے کہ اے علیؑ اللہ تو حکم دیتا ہے حد کے جاری کرنے کا۔ اور آپ اسے معطل فرما رہے ہیں۔ اس نے اعتراض کر دیا۔ آپنے فرمایا کہ دیکھ۔ اگر امام اللہ کی طرف سے ہو۔ اللہ کا بنایا ہوا ہو تو۔ اور عبد آکر اس گناہ کی جو اسنے اپنے اور خدا کے درمیان گناہ کو کیا ہے۔ توبہ کر لے۔ تو اس امام کو حق ہے کہ اسے بخش دے۔ اس مسئلہ کو حضرت نے صاف کر دیا۔ کہ اس امام کو جو من اللہ نہ ہو۔

اسے عفو کرنے کا حق نہیں ہے وہ معاف نہیں کر سکتا۔ یعنی جو من جانب اللہ ہو اسے یہ حق ہے کہ وہ حدود۔ تعزیرات میں عفو کر سکتا ہے۔ حق العقول میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ اگر امام کو جو من جانب اللہ ہے۔ یہ حق ہے کہ اللہ کی طرف سے اس کو سزا دے سکتا ہے۔ تو اس امام کو یہ بھی حق ہے کہ اللہ کی طرف سے وہ احسان بھی کر سکتا ہے۔ کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا ہے۔ یہ آیت نہیں پڑھی تو نے کہ ھذا عطائونا (پارہ ۲۳ رکوع ۱۲ سورہ ص) یہ ہے ہماری عطا۔ تم احسان کرو۔ دے دیا کرو بغیر حساب۔ تمہیں اختیار ہے۔ یہ آیت ہے۔ جو اللہ کی طرف سے سزا دے سکتا ہے۔ تو اللہ کی طرف سے معاف بھی کر سکتا ہے۔ مطلب کیا ہوا۔ کہ اس نے تو ان کو عطا کر دیا۔ مالک بنا دیا۔ اب انہیں اختیار ہے جسے چاہیں دے دیں۔ جب یہ دے سکتے ہیں۔ جب ان کو دینے کا اختیار اور روکنے کا اختیار۔ تو جب اللہ نے انہیں دینے کا اختیار دے دیا ہے۔ تو ہم کو حکم نہ مانگنے کا تو بتائیے یہ دونوں کیسے جمع ہو سکتے ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ نوع انسان میں دو قسم کے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو ان کی عطا کے مستحق ہیں۔ اور کچھ ایسے ہیں کہ ان کی عطا کے مستحق نہیں۔ ایک شخص حاضر ہوتا ہے کہ یا امیرالمومنینؑ میں نے چوری کی ہے۔ مطلب کیا ہے اس کا۔ میرا ہاتھ کاٹ دیجئے۔ یہ چوری پر حد کیوں ہے۔ اور چھیننے والے پر غاصب پر حد کیوں نہیں۔ یعنی جو آپ کا مکان چھینے۔ باغ چھین لے۔ غاصب تو یہ میں پھر بتا دوں گا کہ غاصب پر حد کیوں نہیں۔ اور چوری پر حد جاری ہے۔ کہ ہاتھ کاٹ دو۔ تو وہ امام کے پاس آگیا۔ امیرالمومنینؑ کے پاس آگیا۔ آپ نے پوچھ لیا۔ دیکھئے سب متفق ہیں کہ اللہ بخشش کے لئے بہانہ ڈھونڈتا ہے۔ یہ اس کی شان ہے۔ کہ رحمت حق بہانہ می جوئید۔ تو جو اس کی ذات کا مظہر ہو گا۔ جو اس کی صفات کا مظہر ہو۔ آئینہ دار ہو۔ وہ بہانہ نہیں ڈھونڈے گا ؟ اب یہ اعتراض

کرنے والے سمجھتے نہیں۔ اگر وہ سمجھتے ہوں۔ امام کو پہچانتے ہوں تو اعتراض کیوں کریں۔ تو آپ نے پوچھا تمہیں کچھ قرآن یاد ہے۔ تو اس نے عرض کی کہ حضور مجھے سورہ بقرہ یاد ہے۔ امیرالمومنینؑ تو بہت خوش ہوئے ہوں گے۔ یہ وہ سورہ ہے جو ایک صاحب کو چالیس برس میں یاد نہیں ہوا۔ شیخ محمد حسین اس کی وضاحت فرمائیں۔ مومنین کے علم کے لئے۔ بہترین عمل نماز کے بعد مومن کے دل کو خوش کرنا ہے۔ میں تو فضائل آل محمدؐ سے آپ کے دل کو خوش کرتا ہوں۔ تین مومنوں کو خوش کر دینا بڑا ثواب ہے۔ تو سورہ بقرہ۔ انہیں تمام عمر یاد نہیں ہوا۔ بہرحال جب اس نے کہا کہ مجھے سورہ بقرہ یاد ہے۔ تو حضرت خوش ہوئے اور فرمایا کہ جا تیرے ہاتھ نہیں کاٹوں گا۔ یہ سورہ بقرہ میں کیا ہے۔ دیکھئے۔ چالیس برس سورہ بقرہ یاد نہیں ہوا۔ یہ نہیں کہ اور سورتیں یاد نہیں تھیں۔ یا وہ کند ذہن تھے۔ نہیں وہ بڑے ذہین تھے۔ میں تردید نہیں کرتا کہ سورہ بقرہ ان کو یاد نہیں تھی۔ یا یاد تھی تو وہ اس کا اقرار نہیں کرنا چاہتے تھے۔ تھے بڑے ذہین' دراصل یہ بات بڑی کانٹے کی ہے۔ اس میں ایک راز ہے۔ ان کی ذہانت کا تو میں بہت قائل ہوں۔ ان کی ذہانت کا یہ حال تھا کہ جو ایک ایک نشست میں پانچ پانچ سو حدیثیں گھڑے وہ کند ذہن ہو گا؟ جی نہیں یہ بات نہیں۔ وہ اسے پڑھتے ہی نہیں تھے۔ اسے یاد ہی نہیں کرتے تھے۔ معلوم ہے کیا مطلب تھا اس کا۔ سبب یہ تھا کہ اس سورت میں خلافت آدمؑ کا ذکر ہے۔ اور ابلیس کے انکار کرنے کا ذکر ہے۔ وہ جانتے تھے کہ آدمؑ کو سجدہ نہ کرکے وہ راندہ بارگاہ بنا۔ شیطان بنا۔ لعنت کا طبق اس کے گلے میں پڑا۔ وہ نکال دیا گیا۔ ذلت ہوئی۔ اور میں نے تو اس کو ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ جس کے سبب سے آدمؑ مسجود ملائکہ بنے۔ تو میں اتنا بڑا مجرم ہوں گا۔ اگر سورہ بقرہ کو پڑھوں یا یاد کروں۔ امیرالمومنینؑ اسے سمجھ رہے تھے۔ کہا سورہ بقرہ یاد ہے۔ میں تیرے

ہاتھ کو بخشا ہوں۔ نہیں کاٹتا۔ میں اس کا نمائندہ ہوں مجھے اس نے اختیار دیا ہے۔ میں سورہ بقرہ کے سبب سے تیرا ہاتھ بخشا ہوں۔ تو پھر ایک صاحب نے کہا۔ کہ آپ نے حد جاری نہیں کی۔ تو آپ نے فرمایا کہ دیکھ اگر مجرم پکڑ کے لایا جائے تو ضرور اس کا ہاتھ کاٹنا چاہیئے۔ اگر مجرم خود نادم ہو کر۔ امام کی خدمت میں حاضر ہو کر اقبال جرم کر لے۔ تو امامؑ کو یہ حق ہے کہ چاہے اس کا ہاتھ کاٹ لے چاہے بخش دے۔ امامؑ کے حق کو سمجھ لیں آپ۔ ہر قسم کا گناہ' ہاں' اس سے بڑا گناہ کیا ہو گا۔ کہ امامؑ کے گھوڑے کی لجام کو اس نے ہاتھ ڈال کر پکڑ لیا۔ مگر جب وہ خود نادم ہو کر آتا ہے۔ تو قدموں پر گر گیا۔ جب قدموں پر گرا تو واقعی حر ہو گیا۔ امامؑ نے معاف کر دیا۔ آزاد کر دیا۔ اس نے یہ کہا تھا کہ ہے کوئی ایسا راستہ کہ میری توبہ قبول ہو جائے۔ مجھے معاف کر دیا جائے۔ سمجھ لیجئے کہ امامؑ کے دامن عفو میں بڑی گنجائش ہے۔ یہ راز ہے کہ جب آپ امامؑ کے پاس پہنچ گئے حرم میں تو زیارت کر کے نکلے تو ایسا ہے جسے ماں کے پیٹ سے باہر نکلے۔

دعا کیجئے کہ خداوند کریم ایک مرتبہ اس حرم میں پہنچا دے قیامت کے دن کوئی ایسا نہ ہو گا جو یہ تمنا نہ کرے گا کہ اے کاش میں امام حسینؑ کا زائر ہوتا۔ جب ادھر حسینؑ کی زیارت کی ادھر مہر لگا دی جاتی ہے پیشانی کے اوپر۔ جب یہ قبر سے اٹھے گا تو بغیر حساب کتاب کے جنت کو جائے گا۔ جب فرشتے پوچھیں گے تو یہ پیشانی کی طرف اشارہ کر دے گا۔ وہ پڑھیں گے وہاں لکھا ہو گا۔ ھذا زوار القبر حسینؑ - یہ ہے قبر حسینؑ کا زائر۔ فرشتوں نے آدمؑ کا سجدہ کیا۔ بے شک یہ قرآن کہتا ہے۔ مگر میں نے اتنا مطالع کیا کہیں نہیں دیکھا کہ فرشتوں نے کبھی فخر کیا ہو کہ ہم نے آدمؑ کا سجدہ کیا۔ مگر جسے ذرا سا بھی کوئی لگاؤ ہو گیا حسینؑ سے۔ فطرس آتا ہے۔ جب فطرس یہاں سے گیا ہے تو اس کے متعلق

یہ ہے کہ وہ آسمانوں میں کہتا پھرتا ہے کہ میرا مثل کون ہے۔ میں حسینؑ کا آزاد کردہ ہوں۔ انا عتیق الحسینؑ اب اس نے کیا خدمت اپنے ذمے لی۔ کہ کہیں سے کوئی حسینؑ پر سلام بھیجے تو میں اس کا سلام مظلوم کربلا کی خدمت میں پہنچاؤں گا۔ آپ یقین رکھئے حسینؑ مستحق سلام ہے۔ یہ کیوں زیارت رکھی گئی۔ کیوں اتنا زور دیا گیا۔ یہ کیوں ہے ؟ اس لئے کہ حسینؑ کو اس منزل پر پہنچا دیا گیا تھا کربلا میں کہ کوئی حسینؑ پر سلام نہیں بھیجتا تھا۔ سب آئیں گے حتیٰ کہ ملائکہ۔ انبیاء آئیں گے زیارت حسینؑ کے لئے۔ جس جس کی زیارت آپ دیکھ لیجئے۔ انبیاء کی' اوصیاء کی' کسی کی زیارت میں آپ دیکھ لیجئے کہ فلاں نبی پر سلام۔ سلام علیٰ نوح فی العالمین ۔ فلاں پر سلام فلاں پر سلام۔ لیکن کسی کے ہاتھوں کے پر سلام۔ پیشانی پر سلام۔ سینے پر سلام۔ اعضاء جوارح پر سلام۔ کٹی ہوئی گردن پر سلام۔ یعنیٰ ہر ہر عضو پر سلام۔ یہ کسی کے ہاں نہیں۔ سلام ہو اس مظلوم پر کہ جسے پس گردن ذبح کیا گیا۔ اجرکم علی اللہ

میں ایک بات آپ سے کہہ دوں کہ مومن کی پانچ علامتیں ہیں۔ ایک علامت میں زیارت الاربعین۔ یہ چہلم کی زیارت امام حسن العسکری علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ سب سے پہلا زائر جابر بن عبداللہ انصاری ہے۔ آپ یقین مانئے۔ کہ میری عمر کا زیادہ حصہ وہیں گذرا۔ جب جب اربعین قریب آتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن پہلے میری آنکھ نے دیکھا۔ یہاں بہت سے ایسے ہوں گے کہ کربلا سے ہو کر آئے ہیں۔ میں ان کو جانتا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ زائر زیارت کرتا ہے۔ حرم امام مظلوم۔ حرم امیرالمومنین کی۔ زیارت امیرالمومنین کے بعد طواف کے بعد زائر سیدھا حرم حسین علیہ السلام کی طرف آتا ہے۔ راستے میں اتنا انتظام دیکھا۔ کہ پانی کا کہ ہرجگہ قدم قدم پر سبیل۔ میں ایک عشرہ پڑھا کرتا

تھا۔ پورہ عشرہ پڑھا خیمہ گاہ میں۔ میں روزانہ مجلس پڑھ کے رات کے وقت خیمہ گاہ سے نجف آ جاتا تھا۔ اور پھر دوسرے دن خیمہ گاہ جاتا تھا۔ ایک دن راستے میں حرم مبارک مولا ابو الفضل عباس کی زیارت کو گیا تو دیکھا ایک عورت ضریح کے قریب رو کر کہہ رہی ہے کہ تو زینبؑ کا بھائی ہے۔ تیرے ہوتے ہوئے زینبؑ کو اسیر کیسے کیا گیا۔ میں نے دیکھا کہ راستے بھر میں۔ اتنے فاصلے میں۔ یعنی چالیس پینتالیس میل کے فاصلے میں ہر جگہ سبیل ہے۔ اور ہر سبیل پر یہ کتبہ دیکھا کہ "یہ سبیل اہل کوفہ کی جانب سے ہے۔ اللہ اللہ یہ انقلاب زمانہ کہ آج حسینؑ کے زائروں کے لئے اہل کوفہ کی طرف سے ہر قدم پر سبیل ہے۔ اور ایک دن اہل کوفہ نے حسینؑ پر پانی بند کر دیا تھا۔ ابن زیاد نے حکم دیا تھا کہ حسینؑ اور اولاد حسینؑ اور انصار حسینؑ پر پانی بند۔ اجرکم علی اللہ۔ ایک قطرہ بھی پانی نہ دیا جائے۔ لیکن آج حسینؑ کے نام پر کوفے والوں کی طرف سے قدم قدم پر سبیل اب اربعین قریب ہے۔ اور اتنا یاد رکھئے گا کہ امام زین العابدینؑ بھی آ رہے ہیں۔ اربعین ہے کربلا پہنچنے والے ہیں۔ زینبؑ ام کلثومؑ کا رخ بھی کربلا کی جانب ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ سید سجادؑ کے پاس ایک پیغام بھی ہے۔ آپ کے لئے۔ آپ کے لئے سید سجادؑ، حسینؑ کا سلام لے کر آ رہے ہیں۔ اس سلام کے ساتھ ایک اور بھی پیغام ہے۔ امام نے فرمایا تھا کہ بیٹا میرے سلام کے بعد میرے چاہنے والوں کو یہ پیغام بھی دے دینا۔ میرا باپ پیاسہ شہید کیا گیا۔ یہ بھی ضرور کہہ دینا۔ اجرکم علی اللہ خدا آپ کو کسی غم میں نہ رلائے سوائے غم حسینؑ کے۔ رونے اور رولانے والوں میں شمار کرے۔ آج کائنات کی زبان پر حسینؑ، حسینؑ ہے۔ آج پیغمبرؐ کی زبان پر واحسینا۔ آج امیرالمومنینؑ کی زبان پر واحسینا۔ آج جناب فاطمہؑ کی زبان پر واحسینا۔ زینبؑ کی زبان پر سید سجادؑ کی زبان پر۔ انبیاء کی زبان پر۔ کوئی ایسا

نہیں جس کی زبان پر حسینؑ ، حسینؑ نہ ہو۔ مگر آپ کو معلوم ہے۔ حسینؑ کی زبان پر کیا ہے۔ حسینؑ کی زبان پر زینبؑ ، زینبؑ ہے۔ رہائی کے بعد جب زینبؑ وارد سرزمین کربلا ہوئی۔ میں نے دیکھا۔ کتاب میں دیکھا صاحب مرقات میں۔ پہلی مرتبہ کربلا میں آنے کے بعد معلوم ہوا کہ ناناؑ کا زمانہ یاد آ گیا۔ آپ نے عورتوں کو اکٹھا کیا۔ ام کلثومؑ آ جاؤ۔ رباب آ جاؤ۔ جب تمام عورتیں جمع ہو گئیں۔ تو زینبؑ نے ایک حلقہ بنایا۔ سرزمین کربلا کا گشت کر رہی ہیں۔ کہا کہ یہ وہی زمین ہے جہاں میرے بھائی کو پیاسا شہید کر دیا گیا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں ہمیں مقید کر دیا گیا تھا۔ یہ وہی جگہ ہے۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں علی اکبر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر شہید ہو گیا تھا۔

وہاں تین دن قیام کیا۔ اور جانے لگی تو مزار سید الشہداء پر کہا کہ بھیا میں جا رہی ہوں۔ اگر وصیت نہ ہوتی تو میں نہ جاتی۔ دل نہیں چاہتا کہ تمہیں چھوڑ کر جاؤں۔ ہو سکتا ہے زینبؑ مدینے پہنچ کر تیرے تمام مصائب بھول جائے۔ مگر تیری ایک مصیبت زینبؑ کبھی نہ بھولے گی۔ فرات کے کنارے تیرا پیاسا شہید ہونا یہ زینبؑ کبھی نہ بھولے گی۔ ہمیشہ زینبؑ کو یہ چیز رولاتی رہے گی۔

فسیعلمون الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

☆☆☆☆☆

پانچویں مجلس

....

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ۔ یہ من کون ایسا ہے جو اس کے سامنے۔ اللہ کے سامنے کسی کی سفارش کر سکے۔ مگر اس کی اجازت سے۔ یہ من۔ استفہام انکاری ہے۔ استفہام کی دو قسمیں ہیں۔ ایک استفہام حقیقی ایک استفہام انکاری۔ ھل یستوی (پارہ ۲۳ رکوع ۲۴ سورہ الزمر) کیا عالم اور جاہل دونوں برابر ہیں ؟ نہیں۔ استفہام انکاری۔ معنی استفہام انکاری کے یہ ہیں۔ عربی زبانی کا قاعدہ ہے۔ ھل۔ یہ صرف استفہام ہے۔ ھل یستوی کے معنی برابر نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ آپ برابر کر دیجئے یا گھٹا دیجئے۔ یہ دوسری بات ہے کہ آپ کے برابر کر دینے سے یا گھٹا دینے سے یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ دوسری مثال۔ قالوا اتجعل فیھا من یسفد فیھا و یسفک الدما (پارہ ا رکوع ۳ سورہ البقرہ)۔ کیا تو زمین میں ایسے کو خلیفہ بنائے گا۔ جو فسادی ہے۔ خون ریز ہے۔ یعنی یہ استفہام انکاری۔ کہ نہیں بنائے گا۔ یہ عربی زبان میں اس کو کہتے ہیں استفہام انکاری۔ یہ اس آیت میں یہی ہے۔ من ذالذی ۔ کون ہے وہ۔ نہیں کوئی نہیں جیسے ھل۔ یہ وہی حرف استفہام ہے من بھی حرف استفہام ہے۔ جہاں من دیکھئے آپ جیسے کسی نے سوال کیا تھا برسوں وہ میرے ذہن میں ہے۔ یہ من ہر ایک جگہ ایک ہی معنی میں نہیں آتا۔ یہ من۔ من موصولہ بھی ہے۔ اسم موصول میں ہے ۔ من۔ من الباب دروازے پر کون ہے ؟ من الخیاط ؟ میں حسینؑ کا درزی ہوں۔ معصومہؑ نے فرمایا تھا نا کہ من من باب ۔ معصومہؑ نے فرمایا تھا من من باب۔ اس سے یہ نہ سمجھ لیجئے کہ معصومہؑ کو معلوم نہ تھا۔ معصومہؑ کو سب معلوم ہے۔

سرف اس لئے فرمایا کہ سب سن لیں۔ اگر یہ نہ فرماتی تو آپ کو ہمیں کیسے معلوم ہوتا۔ تو یہ من استفہام ہے یہاں۔ اور استفہام کی دو قسمیں ہیں۔ یہ من انکاری نہیں ہے۔ یہ نہیں ہے کہ دروازے پر کوئی نہیں تھا۔ یہ حقیقی ہے۔ میں درزی ہوں۔ اور حسنینؑ کے کپڑے لے کر آیا ہوں۔

اچھا یہ من اسم موصول کے معنی میں نہیں آتا ہے۔ من الناس من یشری نفسه ابتغا مرضات الله ۔ (پارہ ۲ رکوع ۹ سورہ البقرہ) یہاں من' من موصولہ ہے۔ من الناس لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں۔ اپنے نفس بیچ ڈالتے ہیں۔ اللہ کی رضا کے لئے۔ تو یہ من' من وصولہ بھی ہے۔ چوٹ انسان کو وہیں ہوتی ہے جب وہ معنی نہیں سمجھتا۔ عربی زبان کی وسعت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ ایک صاحب نے پوچھا کہ وہ سین (س) کے معنی بدلے کے کیسے ہوئے۔ ہر لفظ کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی لغوی۔ اور ایک معنی اصطلاحی۔ دونوں معنی میں فرق ہے۔ معنی لغوی یعنی اہل زبان نے جس معنی کے لئے وضع کیا۔ یعنی لغت اور دوسرے وہ جو کسی خاص جماعت نے اس کو کسی معنی کی طرف نقل کر دیا۔ اس کی بھی قسمیں ہیں۔ ناقل جیسا ہو گا۔ اگر اہل لغت نے نقل کیا تو منقول لغوی کہا جائے گا۔ اگر کسی خاص جماعت نے کیا تو منقول اصلاحی کہا جائے گا۔ تو یہ دین۔ لغت میں دین کے دس معنی ہیں۔ تبصرۃ العلوم جناب سید مرتضٰی کی کتاب ہے۔ اس میں دیکھا تھا کہ دین کا اطلاق دس معنی میں ہے۔ ایک معنی عادت۔ الناس علی دین ملوک ۔ لوگ اپنے بادشاہ کے دین پر۔ یعنی کیا مطلب اس کے جیسی عادت ہوتی ہے۔ لوگ دیکھتے ہیں کہ وہ اگر نمازی ہے تو وہ بھی نماز پڑہیں گے۔ علی ہذا القیاس۔ تو دین کے ایک معنی عادت کے ہوئے۔ دین کے ایک معنی حد کے لئے ہوئے۔ یہ حد جو جاری کی جاتی ہے۔ الزانیته والزانی فاجلدو کل واحد منهما (پارہ ۱۸ رکوع ۷ سورہ النور) ۔ دیکھو یہ حد کے جاری

کرنے میں تمہیں رحم نہ آئے فی دین اللہ دین سے مراد حد ہے۔ اور دین کے ایک معنی اطاعت کے ہیں ایک معنی دین کے توحید کے ہین۔ یعنی ان الدین عند اللہ الاسلام (پارہ ۳ رکوع ۹ سورہ العمران) ۔ یہاں دین کے معنی توحید کے ہیں۔ اور ایک معنی دین کے شریعت کے ہیں۔ الیوم اکملت لکم دین کم (پارہ ٦ رکوع ۵ سورہ مائدہ) ۔ یعنی اکملتک لکم شریعتکم ۔ یعنی تمہاری شریعت کو میں نے مکمل کردیا۔ تو دین کے ایک منعی شریعت کے ہیں۔ اور ایک معنی دین کے جزا کے ہیں۔ مالکۓ یوم الدین یعنی مالک روز جزا

حدیث ہے جیسا کرو کے ویسا بھرو گے۔ ایک شعر ہے عربی کا۔ جب حد سے زیادہ ظلم بڑھ گیا۔ تو ہم نے بھی ویسا کیا۔ جیسا انھوں نے کیا۔ یعنی ہم نے اس کا بدلہ دیا۔ یعنی دیسی ہی جزا دی۔ تو دین کے ایک معنی جزا کے ہیں۔ لہٰذا یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ دین آپ استعمال کرتے ہیں۔ مستشرقین نے۔ یعنی دین کی پابندی کرنے والوں نے۔ یعنی جو دین کے پابند ہین۔ جن کو آپ دین دار کہتے ہیں۔ یہاں جو دیندار ہیں جو دین ہے۔ اس سے مراد وہی اسلام اور ایمان ہے۔ یعنی مالک یوم الدین۔ وہاں دین سے مراد یوم قیامت ہے۔ یوم جزا ہے۔ یہاں دین سے مراد وہ دین نہیں۔ جو دین دار کے لئے ہے۔ یہاں جزا کے معنی کیوں ہیں۔ یہاں ایک لفظ ہے عین۔ عربی زبان میں ایک ایک لفظ کے ستر ستر معنی ہیں۔ یہ عین ہے۔ اس کے ستر معنی ہیں اول دین معرفت۔ دین معرفت ہے۔ اگر شواہد پیش کئے جائیں تو وقت بڑا سرف ہو گا۔ بہرحال دین کے معنی عین عبادت۔ اگر سمجھنا چاہیں تو میری قیام گاہ پر آجائیں۔ یا یہاں مجلس کے بعد بیٹھ جاہیں۔ جو منتظر ہیں ان کو کیوں انتظار میں رکھا جائے۔ بہرحال ارشاد ہوتا ہے۔ توجہ من ذالذی یشفع ۔ کوئی ہے ایسا ؟ یعنی کوئی نہیں۔ یہ استفہام انکاری ہے۔ شفاعت کا مسئلہ ایک بات سمجھ لیجئے۔ تاکہ آپ یہ سمجھ لیں کہ شفاعت ضروری

ہے جیسے تمہیداً" انبیاء کی بعثت ضروری ہے۔ اسی طرح شفاعت کا ہونا بھی ضروری اور لازمی ہے۔ صرف شفاعت ایک تمہید سے سن لیجئے آپ۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ تمام عوالم امکانیہ کا خالق موجد۔ واجب الوجود ہے۔ اور اس نے تمام اشیاء کے وجود اور آثار کے لئے ظہور کو مقرر کیا ہے۔ اس نے اسباب کے واسطے یعنی کسی شی کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہو سکتا یا وجود میں کوئی شی نہیں آسکتی بغیر سبب کے۔ یہ دنیا عالم اسباب ہے۔ الله يجرى الامور الا به اسبابها - ہر شے کے لئے سبب کا ہونا ضروری ہے۔ وہ ہر اعتبار سے ہر لحاظ سے مجرد ہے۔ وہ کسی مخلوق کا قرین نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کوئی شے اس کے قرین ہو سکتی ہے۔ کیوں۔ اس لئے کہ وہ "واجب" ہے یہ "ممکن" ہے۔ واجب اور ممکن کے درمیان میں کوئی ارتباط (ربط) ہی نہیں ہے۔ وہ "مجرد" یہ "مادی"۔ وہ قدیم یہ حادث۔ سبب کا ہونا ضروری ہے۔ تمام موجودات وجود میں آنے سے پہلے۔ وجود خارجی میں آنے سے پہلے ثابتات تھے۔ یعنی ثابت۔ لفظوں کو اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ ثابتات بھی وجود علمی رکھتے تھے۔ یعنی وجود میں آنے سے پہلے علم الٰہی میں تھے نہج البلاغہ کا پہلا خطبہ اس میں ایک فقرہ موجود ہے کہ۔ یعنی وجود سے سرفراز کرنے سے پہلے۔ پیدا کرنے سے پہلے وہ تمام اشیاء کو جانتا تھا تو تمام موجودات بلا استثناء۔ تمام کائنات دائرہ وجود خارجی میں قدم رکھنے سے پہلے۔ وجود علمی رکھتے تھے۔ علم الٰہی میں تھے۔ ثابتات تھے۔ اور اس عالم میں اپنی زبان سے۔ زبان سے تقاضائے وجود خارجی کر رہے تھے۔ وجود خارجی کی خواہش کر رہے تھے۔ یعنی وہ خواہش کر رہے تھے۔ کہ ہمیں وجود خارجی عطا فرما۔ اور کمال عطا فرما۔ یاد رکھئے کہ یہ تقاضا کرنا۔ یہ زبان بے زبانی بھی اسی کی عطا کردہ ہے۔ یہ جو دعا میں آپ پڑھتے ہیں۔ "یا مبتدا بالنعم" اے نعمتوں کے ذریعہ سے ابتداء کرنے والے۔ قبل استحقاق کے۔ یعنی ان نعمتوں کے استحقاق سے پہلے اے

نعمتوں کے دینے والے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے استحقاق پیدا ہوتا ہے وجود خارجی میں آنے کے بعد۔ یہ نعمتیں تو اس سے پہلے بھی اس نے عطا کیں۔ کہ اس نے وجود خارجی میں آنے سے پہلے سب کچھ عطا کیا۔ اس کے ایک معنی یہ بھی ہیں۔

الحاصل تو اب اس عالم میں یہ وجود خارجی کا تقاضا کر رہا ہے۔ اب اگر وہ نہیں دیتا وجود خارجی تو دو حال سے خالی نہیں۔ دو قباحتوں سے خالی نہیں ۔ یا تو اس کا قادر نہ ہونا لازم آئے گا۔ یا قادر تھا تو بخل سے کام لیا۔ یہ دونوں قبیح ہیں۔ یعنی اس سے تو قدرت کی نفی ہو ہی نہیں سکتی۔ یعنی عاجز تو خدا ہو ہی نہیں سکتا۔ ان اللہ علی کلی شی قدیر ۔ وہ تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ ہر مصداق شے پر وہ قادر ہے۔ یعنی قدرت عین ذات ہے۔ قدرت کو اس کی ذات سے صلب نہیں کیا جا سکتا۔ کبھی بھی اس کا وصف عجز کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی اسے عاجز نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح بخل بھی اس کے قریب نہیں آ سکتا۔ اس لئے وہ کریم علی الاطلاق ہے۔ بخل بھی نقص ہے۔ اور عجز بھی نقص ہے۔ وہ تو واجب الوجود ہے۔ اللہ وہی ہے جس کی طرف کسی صفت نقص کی نسبت نہ دی جا سکے۔ وہ تمام شے پر قادر ہے۔ اب یہ جو کہا جاتا ہے کہ محال ذاتی پر اللہ قادر نہیں۔ یہ بات غلط ہے۔ کہ وہ ضدین کے جمع کرنے پر ہاں اور نہیں پر۔ نفی اور اثبات کو جمع کرنے پر قادر نہیں۔ یہ سمجھ لیجئے۔ یہ اس قابل نہیں کہ جمع ہو سکیں۔ یعنی یہ ضدین اس قابل نہیں کہ جمع ہو سکیں اس کی قدرت میں کوئی نقص نہیں ہے۔ یہ ہاں اور نہیں۔ یہ دونوں ایک مورد میں جمع نہیں ہو سکتے۔

اب موجودات نے زبان بے زبانی میں وجود کا تقاضا کیا تمنا کی۔ فیاض علی الاطلاق سے وجود مانگا۔ اس نے وجود عطا فرما دیا۔ لیکن اس طرح کہ ان موجودات میں جو اشرف تھا اسے پہلے وجود دیا۔ اس لئے کہ ایسا ہو نہیں سکتا۔ یہ

ضروری تھا کہ اشرف کو پہلے وجود دے۔ کیوں ؟ اس لئے کہ اگر اشرف کے ہوتے ہوئے غیر اشرف کو پیدا کرے۔ اس کے بعد اشرف کو تو ترجیح بلا مرجح لازم آجائے گی۔ کوئی ترجیح نہیں۔ بغیر مرجح کے ترجیح مل جائے۔ اگر دونوں برابر ہوں تو۔ اور اگر ان میں کوئی پست ہو۔ غیر اشرف ہو تو ترجیح مرجوح ہے۔ ایک مرجوح کو ایک مفضول کو فاضل پر مقدم کرنا لازم آئے گا۔ اور یہ نہیں ہو سکتا۔ ایک مرجوح کو راجح پر مقدم کرنا لازم آئے گا۔ غیر اشرف کو اشرف پر مقدم کرنا لازم آئے گا۔ اور یہ سب قبیح ہے۔ مرجوح کا راجح پر مقدم کرنا۔ غیر اشرف کو اشرف پر مقدم کرنا۔ مفضول کو فاضل پر مقدم کرنا۔ غیر اشرف کو اشرف پر مقدم کرنا۔ مفضول کو فاضل پر مقدم کرنا۔ یہ سب قبیح ہے اور اس کی ذات منزہ اور مبرہ ہے۔ یہ تو مخلوق کی صفتیں ہیں۔ وہ خالق ہے۔ تو جو اشرف تھا اسے پہلے پیدا کیا اور احادیث میں بھی یہ ہے کہ جب اس نے مخلوقات کو پیدا کیا۔ تو اس نے حقیقت محمدیہ ؐ کو ظاہر کیا۔ پھر تمام عوالم کو اس سے پیدا کیا۔ یعنی اشرف کو پہلے وجود سے سرفراز فرمایا۔ بہرحال تمام موجودات بلا استثناء۔ توجہ آگے چل کر ان تمام مقدمات سے کام لینا ہے۔ تو تمام ممکنات۔ عام موجودات تمام اس وجود میں آنے سے پہلے وجود علمی رکھتے تھے۔ اور اپنی زبان بے زبانی سے اپنے وجود کا اور کمالات کا مطالبہ کر رہے تھے۔ خالق بے مثل و بے عیب سے وہ مانگ رہے تھے۔ اس نے پیدا کیا۔ اس نے وجود دیا۔ شجرہ طیبہ، شجرہ خبیثہ، شجرہ عقل، شجرہ جہل، نور، ظلمات، دنیا، آخرت، خیر و شر، سب آگیا۔ یہ تمام ممکنات دو حال سے خالی نہیں ہیں۔ یا وجود یا عدم، یا نور یا ظلمات، یا شجرہ طیبہ یا شجرہ خبیثہ۔ کائنات بھی انہی میں سے کسی ایک کا جز ہو گی۔ اس عالم کی کوئی شے ان دونوں سے خالی نہیں۔ یا شجرہ طیبہ کا جز ہے یا شجرہ خبیثہ کا۔ یا شجرہ عقل کا جز ہے۔ یا شجرہ جہل کا یہ واضح کر دوں۔ زیادہ آپ کو انتظار نہ کرنا پڑے۔ کہ یہ کس لئے۔ اس لئے کہ

کائنات کو پیدا کرنے کے بعد محمد آل محمدؐ اشرف تھے۔ ان کی مودت کو ہر شے کے سامنے پیش کیا۔ کوئی ایسی نہیں جس کے سامنے پیش نہ کیا ہو۔ تو جس نے جس شے نے ان کی ولایت اور محبت کو قبول کیا۔ وہ شجرہ طیبہ کا جز بنا۔ آسمانوں میں جس نے سب سے پہلے قبول کیا تو اللہ نے اس کو ستاروں سے زینت دے دی۔ پہاڑوں کو معدنیات سے۔ جس نے قبول کیا اس نے اسے کسی نہ کسی شرف سے مشرف کیا۔ تو شجرہ عقل کا جز ہے یا شجرہ جہل کا جز۔ اول بالذات۔ مقصود بالذات۔ شجرہ عقل کا پیدا کرنا ہے۔ شجرہ جہل وہ بالطبع ہے بالعرض ہے۔ مقصود بالذات نہیں۔ توجہ۔ مقصود شجرہ عقل ہے۔ جب شجرہ عقل ہو گا تو شجرہ جہل بھی ہو گا۔ مثال سے سمجھ لیجئے۔ جیسے دیوار اور اس کا سایہ۔ مقصود کیا ہے۔ دیوار۔ مقصود دیوار بنانا ہے۔ لیکن جب دیوار ہو گی تو سایہ اس کا ضرور ہو گا۔ لیکن سایہ مقصود نہیں۔ مقصود دیوار ہے۔ تو اس طرح مقصود شجرہ عقل ہے۔ شجرہ طیبہ ہے۔ شجرہ خبیثہ مقصود نہیں۔ جب عقل ہو گی تو مقابل میں جہل کا ہونا ضروری ہے۔ اور یہ بالطبع ہے۔ تو بہرحال ہر چیز کو اس نے وجود دیا۔ کمال دیا۔ اب یہ جو میں نے بیان کیا اس کی روشنی میں یہ سمجھ لیجئے کہ یہ لوہا ہے۔ اپنے عالم میں وجود سے پہلے وجود علمی رکھتا تھا یہ لوہا۔ اس عالم میں اپنی زبان بے زبانی سے عرض کی کہ اے معبود۔ اے خالق مجھے وجود عطا فرما۔ کمال دے دے میرا۔ اللہ نے لوہے کو پیدا کر دیا۔ ضروری تھا پیدا کرنا بخل تو ہے نہیں وہاں۔ لوہے کو پیدا کیا اور بتایا بھی انزلنا الحدید فیہ باس شدید و منافع للناس (پارہ ۷ رکوع ۱۹ سورہ الحدید)۔ ہم نے لوہے کو پیدا کیا۔ اس میں باس شدید بھی ہے۔ کاٹنا اور لوگوں کے لئے بڑے فائدے ہیں۔ سمجھے آپ توجہ۔ تو اب یہ وجود میں آنے کے بعد۔ اگر زراعت کا اور دوسری چیزوں کا سبب نہ بنے خدمت کا تو اس کا وجود بیکار ہو جائے گا۔ اور کلام خدا کا کذب لازم آئے گا۔ تو اسے بتایا ہے کہ یہ

بہت سی چیزوں کا سبب بنے اور اس سے فائدہ ہو۔

اسی طرح آفتاب۔ اس کا جانشین ماہتاب ہے۔ یہ دریاؤں میں مدو جزر کا سبب یہی ہے۔ اور آج یہ پھولوں میں جو رنگ پیدا ہوتا ہے۔ تو اس کا سبب اسی آفتاب کو بتایا گیا ہے۔ اس کی روشنی سے۔ روشنی ایک ہے۔ فوائد کتنے ہیں۔ بے شک رنگ و بو تو اللہ ہی دیتا ہے۔ مگر کسی سبب سے یہ دنیا عالم اسباب ہے۔ اللہ کسی کو سیراب کرنا چاہتا ہے تو کس سے سیراب کرے گا۔ پانی سے۔ پانی سیراب ہونے کا سبب بنایا۔ کسی کو سیر کرنا چاہتا ہے۔ تو روٹی سے کرے گا۔ تو جب پھولوں میں رنگ پیدا کرنا چاہے تو آفتاب و ماہتاب کی روشنی سے پیدا کرے گا۔ بغیر اس کے پھولوں میں رنگ نہیں آ سکتا۔ اس کے علاوہ اللہ نے ہزاروں لاکھوں چیزوں کو پیدا کیا۔ لا تعداد چیزوں کو پیدا کیا۔ وہ مسبب الاسباب ہے۔ اس نے ایک کو دوسرے کا سبب بنایا۔ خود انسان کے متعلق فرماتا ہے۔ خلقت الاشیاء۔ میں نے تمام اشیاء کو اے انسان تیرے لئے پیدا کیا۔ اور تجھ کو میں نے اپنے لئے پیدا کیا۔ کیا مطلب یعنی اس لئے پیدا کیا تو مجھے پہچانے۔ میری معرفت حاصل کرے میری عبادت کرے۔ تو یہ نہ سمجھو کہ میرا (تیرا) وجود لغو ہے۔ عبث ہے۔ بے فائدہ ہے۔ بیکار میں پیدا کیا۔ ایسا نہیں۔ بلکہ تجھے پیدا کیا اس لئے کہ تو میرے کمالات جلالیہ اور کمالیہ کا آئنہ بنے۔ یاد رکھئے کہ ایسی کوئی چیز نہیں کہ جس سے اس نے اپنی کسی نہ کسی صفت اور کسی نہ کسی کمال کو ظاہر کرنے کے لئے پیدا کیا۔ مثلاً" فلک ہے۔ یہ اللہ کے اسم دائم کا مظہر ہے۔ زمین اللہ کا نام ہے ایک۔ زمین اس کا مظہر ہو کر بنی ہے۔ پانی اللہ کا ایک اسم (حی) جلانے والا۔ اس کا مظہر یہ پانی ہے۔ ایک اس کا نام ممیت مارنے والا اس کا مظہر کس کو بنایا۔ عزرائیل کو۔ یاد رکھئے کوئی چیز اس عالم میں ایسی نہیں کہ اس کے کسی نہ کسی نام کی مظہر نہ ہو۔ لہٰذا اپنی صفت کو ظاہر کرنے کے لئے اس شے کو صحیح صحیح ظاہر کر

دے تب تو وہ ہے صادق۔ یعنی وہ شے صادق ہے۔ اور اگر صحیح صحیح ظاہر نہ کرے تو وہ ہے کاذب یعنی وہ شے کاذب ہے۔ تو لہٰذا ہر شے اپنے عالم میں صادق بھی ہے اور کاذب بھی ہے۔ آئینہ کس لئے ہے تا کہ وہ دیکھنے والے کی صورت دکھادے۔ اور اگر اس پر غبار وغیرہ ہو اور نہ دکھائے تو وہ ہے کاذب۔ اور اگر وہ تصویر صحیح صحیح دکھادے تو وہ ہے صادق۔ یعنی اگر وہ اپنے مقصد کو پورا کردے تو وہ ہے صادق۔ جس جس شے کو جس جس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ اگر وہ اپنا مقصد پورا کردے تو ہے صادق۔ اور اگر مقصد پورا نہ کرے تو کاذب ہے۔ آئینہ اگر صورت صحیح نہ دکھائے تو وہ ہے کاذب۔ یہ پانی جو گل آلود ہے۔ مرض لاحق کرنے والا ہو تو یہ کاذب ہے۔ اور اگر صاف و شفاف ہو۔ پیاس بجھادے تو یہ ہے صادق۔ ہر شے اپنے عالم میں صادق بھی ہے کاذب بھی۔ انسان سچا بھی ہے، جھوٹا بھی۔ عالم نما جاہل یہ بمنزلہٗ صبح کاذب کے ہے۔ حقیقی عالم بمنزلہٗ صبح صادق کے ہے۔ یاد رکھئے جس طرح وہ ظاہر کرے۔ جس شے سے اس کی صفت کا ظہور جتنا زائد ہو گا۔ اس کی مناسبت سے صدق میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ ایک منزل پر وہ صادق ہو گا۔ آگے بڑھ کے صدیق ہو جائے گا۔ صادق اور صدیق مبالغہ ہے صدق کا۔ لہٰذا ہر چیز اس کے کسی نہ کسی نام، صفت کی مظہر ہے۔ اور یہ انسان و علم ادم الاسماء کلھا (پارہ ا رکوع ۴ سورہ البقرہ)۔ یہ انسان اس کی ہر صفت کا مظہر ہے۔ انسان اس کے تمام کمالات و صفات کا مظہر ہے۔ تو جتنے جتنے کمالات و صفات انسان سے ظاہر ہوں گے۔ اتنا ہی وہ۔ تب تو وہ ہے صادق۔ اور اگر ظاہر نہیں ہوئے تو وہ ہے کاذب۔

یہ دیکھئے کہ آئمہ طاہرین کو صادقین کیوں کہا گیا ہے۔ کیونکہ تمام صفات اللہ کا مظہر ہیں۔ اس لئے ان میں سے ہر ایک کو صدیق کہا گیا ہے اور حکم دیا گیا کہ صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔ اگر انسان دیکھنا چاہے۔ اس کی طرف نظر کرے

تو۔ بہر حال ہر چیز۔ دیکھئے یہ بھی مقدمتہ یاد رکھئے گا کہ کوئی بھی کسی سے شے کو لے نہیں سکتا۔ جب تک کہ لینے والے اور جس سے لے رہا ہے۔ اس میں کوئی مناسبت نہ ہو مثلیث کا ہونا ضروری ہے۔ بین المدرک والا مدرکہ لینے والے اور جس سے لے رہا ہے۔ اس کے درمیان میں مثلیث کا ہونا ضروری ہے۔ اگر مناسبت نہیں مثلیث نہیں ہے تو یہ کبھی بھی اس سے کسی شئے کو لے نہیں سکتا۔ کوئی فیض پہنچ نہیں سکتا جب تک کہ درمیان میں کوئی واسطہ نہ ہو۔ بغیر اس کے کوئی گاڑی چل نہیں سکتی۔ بہرحال اللہ نے اپنی صفات۔ کمالات لوگوں پر ظاہر کرنے کے لئے دنیا میں ہر شے کو اپنی کسی نہ کسی صفت کا مظہر ضرور بنایا ہے۔ تو اللہ کے اسماء میں سے۔ اس کے صفات میں سے ایک ہے اس کا نام عفواً غفور۔ اتنا بڑا عفو کرنے والا۔ وہ اللہ ہے بڑا بخشنے والا۔ توجہ چاہتا ہوں۔ جب ہر اس کی صفت کا مظہر اس عالم میں موجود ہے تو ان دونوں صفات کا مظہر ضرور ہو گا۔ تو جو ان دونوں صفات کا مظہر ہو گا تو وہی ہے شفاعت کرنے والا۔ جو اس عالم میں جس سے وہ بخش دیتا ہے۔ وہ بھی بخش دے گا۔ یاد رکھئے یہ گنہگار اس پاک ذات سے۔ اس غفور الرحیم سے۔ اس عفواً غفور بڑا معاف کرنے والا۔ بڑا بخشنے والا۔ بڑا رحم کرنے والا سے۔ عفو، رحم، مغفرت لے نہیں سکتا جب تک اس کے دینے والے اور اس کے لینے والے میں کوئی واسطہ نہ ہو۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس گنہگار اور اس بخشنے والے کے درمیان کوئی واسطہ ہو۔ لہٰذا اس واسطے کا ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح میں نے کل عرض کیا تھا کہ امام نے فرمایا۔ امام علی نقی علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ امام من جانب اللہ عتاب کر سکتا ہے۔ سزا دے سکتا ہے۔ حد جاری کر سکتا ہے۔ تو وہ اللہ کی طرف سے معاف بھی کر سکتا ہے۔ تو امام کو جب خدا حکم دیتا ہے۔ کہ یہ ہے ہماری عطا۔ ھذا عطائونا۔ تو امام چاہے روک لے چاہے دے دے۔ اللہ نے اختیار دیا

ہے۔ کہ جسے چاہیں دے دیں۔ جسے چاہیں نہ دیں۔ تو جب یہ دے سکتے ہیں تو ہم مانگ نہیں سکتے ؟ اللہ اور بندے کے درمیان مغفرت حاصل کرنے کے لئے۔ واسطہ ضروری ہے۔ بغیر واسطے کے کوئی مغفرت حاصل نہیں کر سکتا۔ اور یہ ہیں واسطہ درمیان میں۔ اس واسطے کا نام ہے "شفیع" قیامت کے دن لوگ آئیں گے اور پریشان ہوں گے۔ حتیٰ کے میدان حشر کی گرمی سے تنگ آجائیں گے۔ آدمؑ کے پاس جائیں گے۔ اسی طرح دوسرے انبیاء کے پاس۔ مگر کوئی شفاعت کی حامی نہ بھرے گا۔ اور آخر میں خاتم الانبیاء علیہ الصلواۃ والسلام کے پاس آئیں گے۔ توجہ۔ دیکھئے شفیع۔ مطلب غلط سمجھتے ہیں لوگ کہ اللہ کے باذنہ شفاعت کا۔ میں کہتا ہوں خاتم النبینؑ بغیر اذن کے شفاعت کریں گے۔ امیرالمومنینؑ بغیر اذن کے شفاعت کریں گے۔ جناب فاطمہؑ بغیر اذن کے شفاعت کریں گی۔ بغیر اذن کے۔ من الذی یشفع عندہ الا باذنہ۔ میں بتاتا ہوں۔ اذن کے کیا معنیٰ ہیں۔ بتایئے دنیا میں کوئی چیز بغیر اذن خدا کے وجود میں آ سکتی ہے ؟ نہیں تو شفاعت بھی تو شے ہے۔ بغیر اذن کے وجود میں نہیں آ سکتی۔ وہ تو آ گئی۔ پھر پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اذن لینے کی کیوں۔ خاتم النبینؑ اور اہل بیت بغیر اذن کے شفاعت کریں گے۔ ہر اول ایک آخر سے۔ ایک رابطہ رکھتا ہے۔ یہ اس تمام کائنات کے وجود کی علت غایت۔ وجود کی علت غائی ہیں۔ جب کائنات کے عدم سے جود میں لانے کی علت غایت ہیں تو جب اول والی مشکل ان کے ذریعے سے آسان ہوئی۔ تو اب آخر والی مشکل بھی ان کے ذریعے سے آسان ہو گی۔

دوسرے یہ کہ جتنے ہیں انبیاء۔ ہر ایک سے ترک اولیٰ ہوا۔ صرف یہی ہیں وہ ہستیاں کہ جن سے کوئی ترک اولیٰ نہیں ہوا۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطہیرا۔ اس نکتے کو یاد رکھئے گا۔ اور دوسری

وجہ یہ ہے کہ کیوں یہی ؟ اس لئے کہ خاتم النبین ؐ اور ان کی اہل بیت کے زیادہ اللہ سے کوئی اتنا قریب نہیں ہے جتنے یہ قریب ہیں۔ ان کو جو قرب ہے۔ اب یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ اگر شفاعت کریں۔ توجہ میری بات پر۔ تو اب ہم سارے گناہ کرنا شروع کردیں۔ یہ یاد رکھئے کہ اپنے کو اس قابل بنالینا چاہئے کہ یہ شفاعت کرسکیں۔ یہ صرف دیکھ لیں ایک نظر اٹھا کر کافی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ منہ پھیرلیں۔ کوئی ایسا گناہ نہیں ہونا چاہئے ہاں۔ کہ جس کے سبب سے یہ منہ پھیرلیں۔ اپنے کو ایسا بنانا چاہئے۔ کہ ان کی شفاعت حاصل ہوسکے۔ ہاں بس یہ ایک نظر اٹھا کر دیکھ لیں کافی ہے۔ یاد رکھیئے کہ اگر انہوں نے کسی کی شفاعت نہیں کی تو وہ اس قابل نہیں کہ اس کی شفاعت ہوسکے۔ آفتاب کا کیا کام ہے۔ جب ہو نکلتا ہے تو بلا تفریق دوست و دشمن سب کو روشنی پہنچاتا ہے۔ وہ نجس اور پاک کوئی فرق قرار نہین دیتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص آفتاب نکلے اور وہ کنویں میں چلا جائے اور اپنے منہ پر رومال ڈال لے۔ تو اس میں آفتاب کا کیا قصور ہے۔ وہ شفیع ہیں جیسے صادق آل محمدؐ نے فرمایا کہ جب دنیا سے جا رہے تھے۔ تو تمام اپنے اہل و عیال کو جمع فرمایا۔ اور کہا دیکھو جو نماز کو حقیر سمجھے گا۔ ہماری شفاعت کو نہیں پا سکتا۔ اس لئے کہ اس نماز ہی سے محمد و آل محمدؐ کی عظمت واضح ہوتی ہے۔ جس نے نماز قائم کی۔ اس نے ہماری ولایت قائم کی۔ ڈاکٹر صاحبان مجلس میں کافی جمع ہیں مجھے غور سے دیکھ رہے ہیں۔ اس لئے ایک بات ذہن میں آگئی۔ اسے سمجھ لیجئے۔ حدیث کی روشنی میں۔ کیوں یہ کریں گے شفاعت ؟ اس لئے کہ یہ سب ہیں گناہ۔ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا کہ تمہاری بیماریاں کیا ہیں۔ گناہ۔ یہ سب امراض ہیں۔ امراض کا علاج وہی حکیم، وہی طبیب، وہی ڈاکٹر کرسکتا ہے کہ جس کے پاس ان کے لئے مناسب دوا موجود ہو۔ بہت سے طبیب ڈاکٹر امراض صدریہ کا علاج نہیں کرسکتے۔ کیونکہ ان کے پاس

مناسب دوا نہیں ہوتی۔ وہ دوسرے کے پاس بھیج دیں گے۔ ایک آنکھ کا علاج کرے گا۔ کمر کا علاج نہیں کرے گا۔ صرف محمد و آل محمدؑ ہی کیوں شفاعت کریں گے۔ اس لیے کہ تمام گناہ جو ہیں ان سب کا علاج محمد و آل محمدؑ ہی کے پاس ہے۔ ایک نے نماز نہیں پڑھی' تارک الصلواۃ ۔ اس کا علاج ان کے پاس موجود ہے۔ ان کے پاس نمازیں موجود ہیں۔ پیغمبرؐ کی نماز علی مرتضیٰؑ کی نماز' امام حسنؑ کی نماز۔ کربلا کی نماز ان کے پاس ہے موجود ہے۔ ایک شخص ہے اس نے روزہ چھوڑ دیا۔ وہ گناہ گار ہے۔ اس کا علاج ان کے پاس موجود ہے۔ حسینؑ کا روزہ۔ آپ کو معلوم ہے حسینؑ نے روزہ کب رکھا۔ کچھ لوگ پیغمبرؐ کے پاس آئے کہ معلوم کریں کہ چاند ہو گیا۔ کہ نہیں۔ روزہ رکھیں۔ پیغمبرؐ نے علی مرتضیٰؑ کے پاس بھیج دیا۔ انہوں نے در سیدہؑ پر بھیج دیا۔ لوگوں نے پوچھا آج روزہ ہے کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا میرے شیر خوار حسینؑ نے دودھ نہیں پیا۔ آج روزہ ہے۔ یہ حسینؑ نے کس وقت روزہ رکھا۔ روزے کا علاج ان کے پاس ہے۔ ان کے پاس روزے ہیں۔ کسی نے حج نہیں کیا گناہ کیا۔ اس کا علاج ان کے پاس ہے۔ امام حسنؑ کے پچیّس پچیّس حج پا پیادہ وہ علاج کریں گے۔ ہر بیماری کا علاج ان کے پاس موجود ہے۔ کسی نے اگر کسی کو بھوکا رکھا۔ کسی پر پانی بند کر دیا اس کے لئے حسینؑ کی پیاس اس کا علاج ہے۔ کسی نے کسی کے گھر کو آگ لگا دی تو اس کا علاج وہ ساٹھ خیمے جو کربلا میں جل گئے علاج ہیں۔ غرض ہر بیماری کا علاج ان کے پاس ہے۔

آج مجھ سے کہا گیا کہ ارادہ ہے اس عزا خانے میں آج گھوارے کی شبیہ نکلے گی۔ معلوم ہے یہ گھوارہ کس کا ہے۔ میں نے سرمایہ ایمان کتاب کا نام ہے اس میں دیکھا ولادت کے تیسرے دن کا واقعہ ہے۔ امام حسین علیہ السلام کی۔ امام حسینؑ گھوارے میں تھے۔ ایک مرتبہ جناب سیدہ کی آنکھ لگ گئی۔ اب جو

آنکھ کھلی تو دیکھا کہ گہوارہ خالی ہے۔ اور حسینؑ گہوارے میں نہیں۔ بڑی پریشان ہوئیں۔ تمام گھر میں تلاش کیا۔ آخر چادر اوڑھ کر جناب رسول خدا کی خدمت میں پہنچی۔ پیغمبرؐ پریشان ہوئے۔ پوچھا بیٹی کیا سبب ہے پریشانی کا۔ آپ نے واقعہ بتایا۔ پیغمبرؐ پریشان ہوئے۔ اتنے میں جبرائیل امین حاضر ہوئے اور بعد سلام عرض کیا یا رسول اللہ بات صرف اتنی ہے کہ جتنے فرشتے آئے تھے۔ حسینؑ کی ولادت کی مبارک باد دینے۔ یہ جب واپس ہوئے وہاں تو آسمان میں ایک ہنگامہ ہوا۔ اور یہ فخر و مباہات کر رہے ہیں۔ کہ ہم حسینؑ کی ولادت کی مبارک باد دے کر آ رہے ہیں۔ اور فطرس جدھر جاتا ہے یہ کہتا ہے کہ انا عتیق الحسین میں حسینؑ کا آزاد کردہ ہوں۔ تو تمام فرشتے جو عرش پر ہیں اور جن کا روئے زمین پر گذارہ نہیں وہ تمام مل کر بارگاہ ایزدی میں عرض کی کی اے معبود ہمیں بھی حسینؑ کی زیارت ہو جائے۔ لہٰذا مجھے حکم ہوا کہ جبرائیل جاؤ اور حسینؑ کو لے آؤ۔ چنانچہ میں حسینؑ کو لے گیا۔ اور یہ زیارت کرا کے واپس لے آیا ہوں۔ بی بی سے کہہ دیجئے کہ حسینؑ گہوارے میں ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ جب نانا کو بلانا ہوا تو براق ایسی سواری بھیجی۔ اور جب حسینؑ کو بلانا ہوا تو جبرائیل اپنے پروں پر لے گئے۔ بہرحال سیدہؑ گھر تشریف لائیں تو دیکھا کہ حسینؑ گہوارے میں ہیں۔ اور گہوارہ ہل رہا ہے۔ کوئی ہلانے والا نہیں۔ سیدہؑ نے گہوارے کے بوسے لئے۔ رخساروں کے بوسے لئے آپ کو معلوم ہے ان لبوں کے بوسے کس کس نے لئے۔ خاتم النبینؐ نے لئے۔ جناب امیرؑ نے لئے۔ جناب سیدہؑ نے لئے۔ اللہ اکبر۔ انصاف سے کہئے کہ کیا یہ لب اس قابل تھے کہ چھڑی سے بے ادبی کی جائے۔ اجرکم علی اللہ۔ اے ارباب اعزاء ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ جب حسینؑ ان لبوں سے قرآن پڑھ رہے تھے تو اشقیا نے ان لبوں پر پتھر مارے۔ تو یہ گہوارہ تھا گہوارہ۔ تو میں شفاعت کی بات کر

رہا تھا۔ ایک تو شفاعت حسینؑ کریں گے۔ جب رخصت آخر کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔ ناناؐ کے روضے پر حسینؑ تو آنکھ لگ گئی۔ دیکھا کہ پیغمبرؐ کھڑے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ اے حسینؑ عراق کی طرف چلے جاؤ۔ اللہ چاہتا ہے۔ اس کی مشیعت یہی ہے کہ وہ تجھے شہید دیکھنا چاہتا ہے۔ خون میں آلودہ دیکھنا چاہتا ہے۔ اور بیٹا ایک درجہ ہے۔ مرتبہ ہے ایسا کہ بغیر شہادت کے وہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ دیکھئے سب درجے ان کے پاس ہیں۔ ختم نبوت' امامت' ولایت یہ درجہ کیا ہے۔ یہ درجہ شفاعت کا ہے۔ یعنی شفاعت کبرا کا حلقہ وہ وسیع تر کر دینا چاہتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ قیامت کے دن جتنی شفاعت حسینؑ کریں گے وہ سب سے زیادہ ہو گی۔ ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ کہ حسینؑ جنت میں نہیں جائیں گے۔ اللہ اکبر کبیرہ۔ میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ آپ نے سنا ہے روایات میں۔ یہی وجہ تھی کہ حسینؑ نے کسی کو اپنے ساتھ دفن نہیں کیا۔ سوائے ایک شہید کے۔ یہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ خصوصاً" اولاد والوں کے واسطے۔ وہ کون شہید ہے اور اس وقت کہاں ہے۔ وہ کون وہ حسینؑ کا شیر خوار وہ اصغر ہے۔ یہ بھی شفاعت کریں گے۔ اگر کسی کا شیر خوار مرجائے۔ یا کوئی بچہ بالغ ہونے سے پہلے مرجائے۔ خصوصاً" شیر خوار اس کے متعلق یہ ہے۔ کہ یہ بہت بڑی نعمت ہے جو اس نے بھیج دیا۔ توجہ رکھئے۔ میں نے احادیث میں دیکھا ہے۔ کہ وہ شیر خوار بچہ جنت کے دروازے پر کھڑا ہو جائے گا۔ اور کہے گا میں جنت میں نہیں جاؤں گا۔ جب تک میرے والدین جنت میں داخل نہ ہو جائیں۔ ان کی بخشش اور جنت میں داخلے کے بعد وہ بچہ داخل جنت ہو گا۔ ایک بات کہنا چاہتا ہوں ارباب عزا حسینؑ کا یہ شیر خوار بھی جنت کے دروازے پر کھڑا ہو جائے گا اور کہے گا کہ میں جنت میں نہیں جا سکتا۔ میں جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ جب تک میرے باپ پر رونے والے سب کے سب

جنت میں داخل نہ ہو جائیں۔ اجرکم علی اللہ جب شہادت کی خبر خیمے میں پہنچی ہے۔ جناب رباب کو علم ہوا کہ میرا بچہ تیر سہ شعبہ سے شہید ہوا ہے۔ معلوم ہے کیا کہا۔ ایک جملہ عمر بھر رولانے کے لئے کافی ہے آپ نے کہا کہ کیا تیرے جیسا شیر خوار بھی تیر سے نحر کیا جاتا ہے۔ اونٹ کو نیزے سے نحر کیا جاتا ہے۔ اب اس جھولے کی شبیہ آ رہی ہے۔ کون سا جھولا کہ جس سے اس شیر خوار نے اپنے کو گرا دیا تھا۔ اپنی زندگی میں یا حسین یا حسین۔

☆☆☆☆☆

چھٹی مجلس

....

من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ یعلم م بین ایدیھم و ما خلفھم۔ یعلم م بین ایدیھم و ما خلفھم ۔ اس آیت میں علم باری تعالیٰ کی طرف اشارہ ہے۔ پروردگار عالم کے علم کے متعلق اشارہ آیت الکرسی کی اس آیت میں کیا گیا ہے۔ رات کی مجلس میں، میں نے شفاعت پر روشنی ڈالی تھی۔ اس آیت کے تحت کہ مَن ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ ۔ یہ اولاد آدم ابو البشر کی اولاد میں ابھی بھی ایسے لوگ موجود ہیں کہ جنہیں یہ کھلتا ہے۔ کہ میں نے رات کی مجلس میں یہ بیان کیا تھا کہ حق شفاعت حضرات محمدؐ و آل محمدؐ کو ہے۔ اتنا بڑا مسئلہ اتنی جلدی بیان کر دیا، حل کر دیا۔ یہ ان لوگوں کو کھلتا ہے۔ کہ کیونکر اور کیسے شفاعت کریں گے تو یہ پہلے اعتراض سن لیجئے۔ خداوند عالم، پروردگار عالم کوئی حاکم نہیں ہے۔ بادشاہ نہیں ہے کہ جس کے سامنے آکر کوئی سفارش کرے کسی کی۔ دنیا کی عدالت میں۔ محکمے میں۔ کسی مجرم کی اعانت کرنے والے یعنی کیس کرنے والے کی۔ کوئی سفارش نہیں کر سکتا۔ تو عدالت عالیہ الٰہیہ میں کس کی جرات ہے کہ کسی مجرم کی سفارش کر سکے۔ اپنے مطلب کے ثبوت میں اس نے آیات متشابہات کو نقل کیا ہے۔ توجہ اور یہ آیات لاعلمی کے سبب سے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ یعنی وہ آیت کا مطلب نہیں سمجھا۔ وہ آیت میں پیش کرتا ہوں۔ و تقو یوم لا تجزی (پارہ ۳ رکوع ۲ سورہ البقرہ)۔ پروردگار عالم ارشاد فرماتا ہے۔ اس دن سے ڈرو جس دن کوئی نفس کسی نفس کا بدلہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس دن کوئی سفارش یا شفاعت قبول کی جا سکے گی۔ یہاں اس آیت میں سفارش کی نفی کی جا رہی ہے۔ لا یقبل منھا شفاعتہ ۔ یعنی کوئی سفارش قبول

نہیں کی جائے گی۔ اگر آپ سے سوال ہو تو آپ کیا جواب دیجئے گا۔ وہ یہ کہہ رہا ہے کہ آپ نے کیونکر اور کیسے قرآن سے ثابت کیا شفاعت کو۔ غور فرمایا۔ آیت ہے کہ نہیں صاف ؟ آپ کس کا ساتھ دیں گے۔ آپ شفاعت کے ساتھ ہیں۔ یہ آیت تو کہہ رہی ہے کسی کی سفارش قبول نہیں ہو گی۔ میں آپ کو بتاتا ہوں۔ ابھی سمجھ میں آجاتا ہے کہ کس قدر اشتباہ ہے۔ کہ اس دن سے ڈور۔ یہ سمجھ لیجئے کہ اس یوم سے کیا مراد ہے۔ کونسا دن مراد ہے۔ آپ کیوں قیامت برپا کر رہے ہیں۔ یہاں اس یوم سے مراد وہ قیامت کبرا نہیں۔ بلکہ قیامت صغرا ہے۔ جب مرتا ہے تو اس کی قیامت اسی وقت قائم ہو جاتی ہے۔ اس یوم سے مراد یوم الموت ہے۔ روز قیامت مراد نہیں ہے۔ تو چونکہ موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ وہاں کسی کی دال نہیں گل سکتی۔ کہ بس ٹل جائے موت۔ موت ٹل نہیں سکتی۔ تفسیریں اٹھا کر دیکھئے آپ۔ محمد و آل محمدؑ کا دامن چھوڑ کر ایسی چوٹیں ہوتی ہیں۔ ساری امت میں کوئی ایسا ہے جو ملک الموت کو یہ کہہ سکے ایک دن ٹال دو۔ یا کچھ وقفہ دے دو۔ کچھ دے دلا کر۔ نہیں کوئی نہیں۔ صرف انبیاء کے لئے ہے، اوصیا کے لئے ہے۔ کیونکہ ملک الموت پر ان کی اطاعت واجب ہے۔ وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ٹھہر جاؤ۔ دوسرے کے لئے نہیں ہے۔ موت ہر ایک کے لئے ہے۔ اس میں کسی کی دال نہیں گل سکتی۔ اس دن کے لئے ڈرایا ہے۔ اس دن کیا ڈریں گے۔ جس دن سب شفاعت ہو گی۔ یوم الموت میں کوئی سفارش نہیں چل سکتی۔ یہ حدیث یاد رکھئے کہ ملک الموت روزانہ پانچ وقت آکر ہر گھر میں دیکھ جاتے ہیں۔ ہر گھر میں ہر جگہ۔ چاہے وہ کپڑے کا خیمہ ہو۔ پختہ مکان ہو یا کچا۔ ہر گھر میں پانچ مرتبہ ملک الموت نظر جا کر دیکھ جاتا ہے۔ یہ پانچ مرتبہ کب۔ نماز کے وقت میں۔ کافی میں یہ حدیث ہے۔ آپ سمجھ رہیں ہیں میں کیا کہہ رہا ہوں۔ ملک الموت کو خدا نے۔

قادر علی الاطلاق نے یہ قوت دی ہے کہ ہر جگہ۔ ہر گھر میں پانچ وقت۔ یعنی ایک ہی وقت میں نظر جما کر دیکھ لیتے ہیں۔ اب کسی کو اعتراض نہیں کہ ملک الموت کیسے ایک وقت میں ہر گھر میں نظر جما کر دیکھ لیتا ہے۔ کیونکہ ملک الموت سے تو ہر ایک کا دم نکلتا ہے۔ کرے اعتراض۔ لیکن اگر مخدوم ملک الموت ایک وقت میں چالیس جگہ۔ تو یہ اعتراض کرتا ہے کہ جی وہ کیسے ایک وقت میں چالیس جگہ۔ اگر میں یہ کہوں تو تیور بدل جائیں گے۔ یہ اوقات نماز میں پانچ مرتبہ آتے ہیں۔ یہ بات پیغمبرؐ نے بتائی۔

بہرحال جملہ کہہ کر میں آگے بڑھ جاؤں۔ اس روز سے ڈرو یعنی یوم موت سے ڈرو۔ یہ بڑا سخت وقت ہے۔ ابلیس یہ جانتا تھا کہ موت کا وقت بڑا سخت ہے۔ اس نے ایک حربہ استعمال کیا کہ جس سے اسے موت کا ذائقہ نہ چکھنا پڑے۔ اس نے ایک حرکت کی تھی۔ کیا ؟ اس نے جو مہلت مانگی۔ معلوم ہے کیا مہلت مانگی۔ زندہ رہنے کے لئے اس دن تک جس دن لوگ زندہ کئے جائیں گے۔ اس بات پر ایک بات یاد آگئی۔ تو کہے دیتا ہوں۔ یہ ایک دن میں اسی (۸۰) آدمی گرفتار کئے گئے۔ نجف میں جس میں یہ احقر بھی تھا۔ ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ بیان لیا گیا۔ سوال یہ تھا کہ آپ بعث کو کیا سمجھتے ہیں۔ بعث پارٹی کا نام ہے۔ عراق کی حکمران پارٹی۔ تو میں نے کہا جناب میں اپنا عقیدہ بتاؤں یا علماء کا۔ کہا دونوں بتاؤ۔ میں نے کہا۔ بعث کو تو میں حق سمجھتا ہوں۔ زندہ تو کیا ہم تو مردے کو بھی قبر میں لٹا کر تلقین میں جہاں موت الحق۔ سوال نکرین حق وغیرہ کہتے ہیں۔ وہاں البعث الحق بھی کہتے ہیں۔ سوال کرنے والے کو ہم نے اس طریقے سے متوجہ کیا موت کی طرف اور ڈرایا۔ وہ بعث کے معنی یعنی دوبارہ زندہ کیا جانا۔ تو اسے مہلت جب مردے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ اس کی شیطانیت دیکھئے کہ وہ کیا کہتا ہے۔ کہ جس دن لوگ قبروں سے زندہ اٹھائے

جائیں۔ اس دن تک کی مجھے مہلت دے دے۔ اس کا مطلب تھا کہ اس طرح میں نکل گیا۔ اس دن تو لوگ زندہ کئے جائیں گے۔ لہٰذا موت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تو میں بچ جاؤں گا۔ ارشاد ہوا مہلت مل گئی ضرور مگر وقت معلوم تک۔

کل میں نے بتایا تھا کہ لغوی معنی اور اصطلاحی معنی۔ وتقویوم لا تجزی۔ اس دن سے ڈرایا ہے کہ جس دن موت آئے گی۔ کسی کی دال نہیں گل سکتی۔ امام حسینؑ کی خدمت میں ایک شخص آیا تھا۔ کہا کہ یا حضرت میں گناہ کا عادی ہو چکا ہوں۔ معصیت پر صبر نہیں کر سکتا۔ آپ نے فرمایا کرو معصیت مگر پانچ چیزوں کا خیال رکھو۔ پھر جو چاہے کرو۔

۱۔ اللہ کی روزی نہ کھاؤ جو چاہے کرو۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ کہ اس کی روزی کھاؤ اور اسی کی معصیت کرو۔

۲۔ اس کی زمین چھوڑ دو۔ اس کی ولایت چھوڑ دو۔ جو چاہے کرو۔ اس کی زمین میں رہتے ہو اور اس کی نافرمانی۔

۳۔ جب ملک الموت قبض روح کے لئے آئیں۔ انہیں ایک طرف بھیجئے۔ یعنی ہمیشہ دنیا میں رہنے کا پرمٹ حاصل کر لو دے دلا کر۔ پھر جو چاہے کرو۔ ہر ایک کو رشوت دے کر سفارش کے ذریعے کام نکال لیتے ہو۔ ہاں ملک الموت کسی کی سننے والے نہیں ہیں۔ اس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

۴۔ جب مالکان جہنم۔ جہنم میں لے جانے لگیں تو انہیں دھکا دے کر الگ کرو تو جو چاہو گناہ کر لو۔

تو اس آیت میں مراد جس دن سے ڈرایا گیا ہے وہ یوم الموت ہے۔ معصومؑ نے فرمایا ہے۔ یہ تفسیر ہے۔ اس دن کسی کی سفارش قبول نہیں ہو گی۔ بہر حال آیت میں تصریح ہے شفاعت کے لئے اس آیت میں تصریح شفاعت کرنے

والے کی۔ قبول شفاعت کا صراحتا" ذکر ہے۔ جمعہ کے دن۔ کل تو جمعہ ہے۔ کہ صبح کی نماز میں سورہ حمد کے بعد پہلی رکعت میں سورہ جمعہ پڑھنا چاہئے۔ دوسری رکعت میں الحمد کے بعد سورہ توحید۔ لیکن ظہر کی نماز میں پہلی رکعت میں سورہ حمد کے بعد سورہ جمعہ۔ دوسری رکعت میں سورہ حمد کے بعد سورہ منافقون۔ کل جمعہ ہے۔ معصومؑ نے فرمایا کہ جو اس پر عمل کرے۔ وہ ہمارا شیعہ ہے۔ بہرحال یہ ضروری ہے کچھ تو یاد ہونا چاہئے۔ اس سے زیادہ جاننا چاہتے ہیں۔ تو مفاتیح میں دیکھئے۔ اعمال روز جمعہ میں۔ اور اعمال شب جمعہ میں۔ میں نے بتایا تھا کہ حسرت کی نیند کونسی ہے۔ وہ جو شب جمعہ میں سوئے۔ اور میں نے عرض کیا تھا کہ ایک فرشتہ جو بروز جمعرات ظہر کے بعد سے اعلان کرنا شروع کر دیتا ہے۔ کہ ھل من التائبین ۔ ہے کوئی توبہ کرنے والا تاکہ شب جمعہ کی برکت سے اس کی توبہ قبول ہو جائے۔ اس شب سے استفادہ کرنا چاہئے۔ شب جمعہ شب بیداری۔ عبادت کا حکم ہے۔ قیامت کے دن حسرت رہے گی کہ میں نے شب جمعہ سو کر کیوں گزاری۔ یہ آپ مجلس میں بیٹھے ہیں یہ کسی عبادت سے کم نہیں۔ بلکہ یوں کہوں کہ اس سے بہتر کوئی عبادت ہے ہی نہیں۔ مشہد کا ایک رسالہ ہے "خصائص جمیلہ" اس کے بہت سے نام ہیں۔ یہ نماز جمعہ کیوں ہے۔ انشاء اللہ جمعہ کی مجلس میں کسی دن بیان کروں گا۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ حدیث میں ہے کافی میں ہے کہ تف ہے۔ اس شخص پر جو جمعہ کے دن اپنے آپ کو مسائل دینیہ کے سیکھنے کے سلسلے میں فارغ نہ کرے تو آیئے میں ایک چیز آپ سے بیان کروں۔ بہت سی آیات ہیں قرآن مجید میں جس میں تذکرہ ہے شفاعت کا۔ شفاعت کرنے کا۔ شب جمعہ روز جمعہ ثواب دگنا کر دیا جاتا ہے۔ سورہ منافقوں میں ہے تعالوا یستغفر لکم رسول اللہ ۔ (پارہ ۲۸ رکوع ۱۳ سورہ منافقون) کہ آؤ تم لوگوں کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کریں کہ خدایا ان کو

بخش دے۔ کیوں جناب۔ اگر قبول نہیں ہو سکتی۔ بتائے نفاق سے بڑا کوئی گناہ ہے۔ ضمیر بھی پلٹی ہے منافقون کی طرف جتنا نقصان دین اسلام کو نفاق سے پہنچا۔ کسی سے نہیں پہنچا۔ روحانی امراض میں سب سے بڑا گناہ نفاق ہے۔ امراض کی اصل اور جڑ ہے۔ یہ ابلیس رائندہ درگاہ نہ ہوتا سجدہ کرلیتا۔ اس نے منافقت سے کام نہیں لیا تھا۔ وہ چاہتا تو موقع سے فائدہ اٹھا کر مبارک باد بھی دے دیتا۔ زمین پر آکر نیت کرلیتا۔ لیکن اس نے صاف کہا کہ آدم کو سجدہ نہیں کروں گا۔ چاہے نکال دیا جاؤں۔ یہ ہے ام الامراض۔ قرآن میں کتنی آیتیں ہیں اس کی مذمت میں۔ بہرحال جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ یستغفر لکم رسول اللہ تو اپنے سر کو پلٹ لیتے ہیں۔ ادھر منہ کر لیتے ہیں۔ جانے دیجئے۔ قرآن نقل کر رہا ہے۔ کیوں' یہ کیوں کہا جا رہا ہے کہ آؤ یستغفرلکم رسول اللہ۔ معلوم ہوا کہ اگر پیغمبرؐ گناہ گار کے لئے مغفرت طلب کریں۔ حاکم علی الاطلاق سے۔ مالک الملک ہے۔ اس کی بارگاہ میں اگر یہ طلب مغفرت کریں۔ ایک بات بتاتا ہوں اگر پسند آجائے تو دعا کیجئے گا۔ شب جمعہ ہے۔ استجاب دعا کی رات ہے۔ بہترین عمل اس شب کا دعا ہے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ دیکھئے قرآن مجید کی ایک آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو دو طریقے سے بیان فرمایا ہے۔ پیغمبرؐ کی شان اور عظمت کو بیان فرما رہا ہے۔ وما کان اللہ لیعذبھم و انت (پارہ ۹ رکوع ۱۸ سورہ الانفعال)۔ کہ اللہ عذاب نہیں کرے گا۔ دیکھئے کچھ گناہ گار ہیں جو مستحق عذاب ہیں۔ تو اللہ یہ ارشاد فرماتا ہے۔ کہ یہ لوگ جو مستحق عذاب ہیں۔ میں ان کو عذاب نہیں کروں گا۔ یہ مستحق عذاب ہیں۔ اللہ ان پر عذاب نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ پیغمبرؐ ان میں موجود ہیں۔ یعنی پیغمبرؐ کا وجود مانع ہے عذاب کے نازل ہونے سے۔ دیکھئے پیغمبرؐ نے دعا نہیں کی۔ لب نہیں ہلائے مغفرت کے لئے۔ صرف پیغمبرؐ ان گناہ گاروں میں موجود ہیں جو

مستحق عذاب ہیں۔ تو اللہ ان پر عذاب نازل نہیں کرتا ان کی برکت سے۔ تو اگر پیغمبرؐ زبان سے کہہ دیں۔ دعا کر دیں کسی کے لئے تو۔ یعنی وجود کی برکت سے تو عذاب نہیں بھیجتا خدا۔ اور اگر وہ زبان سے کہہ دیں۔ کسی کی سفارش کر دیں۔ تو اس سے آپ سمجھ لیجئے۔ کہ جب پیغمبرؐ موجود ہو تو وہ عذاب کرنے کے لئے تیار نہیں۔ تو جس کے حق میں یہ سفارش کر دیں تو۔ صلواۃ

اصل میں یہ انکار اعتراض نہیں۔ یہ وہابیوں کا ہے۔ جو وہابی العقیدہ ہیں۔ اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ کہ جناب سجدہ گاہ، تسبیح جیب میں رکھتے ہیں۔ بت جیب میں رکھتے ہیں۔ اس پر سجدہ کرتے ہیں۔ یہ نہیں سمجھ میں آتا۔ اگر ان کو علم ہو تو کبھی نہیں کہیں گے۔ توجہ کہ ہمارے ہاں۔ ہمارے فرقہ شیعہ امامیہ میں۔ ان چیزوں پر جو کھائی اور پہنی جاتی ہیں سجدہ جائز نہیں ہے۔ جیسے پالک کا ساگ۔ پان یا مولی کا چھلکا۔ اور جو پہنی جاتی ہیں یہ کپڑے وغیرہ۔ اور معدنیات جو چیزیں نکلتی ہیں کان سے۔ جیسے نمک، بعض پتھر، کوئلہ ان پر سجدہ جائز نہیں۔ ہمارے ہاں سجدہ خاک پر ہونا چاہئے مٹی پر ہونا چاہئے۔ اب چونکہ ہر جگہ مٹی نہیں ہے تو ہم نے اسے جیب میں رکھا۔ اور معلوم ہے ہم نے کس مٹی کا انتخاب کیا جو کہ یگانۂ شہید اسلام کی مجاور مٹی ہے۔ جس کا قیاس دوسری مٹی پر نہیں ہو سکتا۔ جو طاہر اور پاکیزہ مٹی ہے۔ یہ کیوں ؟ طیب و طاہر کیوں ہے۔ اس کی عظمت کو سمجھ لیجئے گا۔ جب قارون کو حکم ہوا کہ اسے زمین میں لے جاؤ تو ایک عورت جس کے شوہر کے عمامے کا ایک دھاگہ۔ جو نماز پڑھتا تھا کہیں زمین میں گر گیا تھا۔ اس عورت نے اٹھا کر اپنی انگلی پر لپیٹ لیا۔ اب جو قارون کو زمین میں دھنسانے کا حکم ہوا تو فرشتے اس عورت کو بھی لے جانے لگے۔ تو حکم ہوا کہ اسے زمین میں نہ لے جاؤ۔ کہ اس کی انگلی میں میرے اس بندے کے عمامے کا ایک تار ہے تار۔ جو مجھے سجدہ کیا کرتا ہے۔ جو مجھے یاد کیا کرتا ہے۔

اس کی برکت سے اسے زمین میں نہ دھنساؤ۔ نہ لے جاؤ۔ یہ کیوں حکم ہے میت کے ساتھ خاک شفا رکھنے کا۔ کہ جب ایک عبد کے عمامے کا ایک تار کہ جو اللہ کا سجدہ کرتا تھا۔ تو وہ زمین جس میں اس کا خون ہو کہ جس کی شہادت سے اللہ کا ذکر باقی ہے۔ پس خاک کا کیا اثر ہو گا۔ اور یہی وجہ ہے اس مٹی کو قبر میں رکھنے کی کہ اس سے فشار قبر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ زمین اسے اذیت نہیں کر سکتی۔ اس خاک کا فائدہ یہ ہے۔ تو بہرحال یہ وہابیوں کو معلوم نہیں کہ ہم خاک پر سجدہ کرتے ہیں۔ پیغمبرؐ نے فرمایا تھا کہ زمین ہمارے لئے مسجد ہے۔ ہاں اگر خاک نہ ہو تو دوسری چیزیں ہیں۔ مثلاً لکڑی۔ وہ چیزیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔ مگر سب سے بہتر یہ ہے کہ زمین پر سجدہ ہو۔ زمین کربلا سے بہتر کوئی زمین نہیں۔ دوڑے جاتے ہیں قبر کو پوجنے' قبر کی حفاظت کو۔ ایسا نہیں میں دو تین فقرے زیارت کے۔ آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ یہ جو شرک کی نسبت دی جاتی ہے۔ ہم عبادت نہیں کرتے تو یہ ہی جواب دیتے ہیں کہ جب پیغمبرؐ نے بھی یہی جواب دیا تھا جو آپ دے رہے ہیں۔ توجہ۔ کس قدر اشتباہ ہے۔ مشرکین کا قیاس ہمارے اوپر۔ مشرکین یہ کہتے تھے کہ قرآن مجید نقل کرتا ہوں۔ ما یعبدوھم الا ۔ ہم عبادت نہیں کرتے ان کی مگر یہ کہ یہ اللہ سے ہم کو قریب کر دیتے ہیں ۔ تو وہاں ہم عبادت کرتے ہیں آئمہ طاہرین کے روضے پر۔ وہاں تو پتھر۔ یہ صرف پتھر کے لئے کہا جا رہا تھا۔ ہم تو ان کو وسیلہ۔ اللہ نے ان کو پاک و پاکیزہ قرار دیا۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ہم لائق عبادت سوائے خدا کے کسی کو نہیں سمجھتے۔ وہ یعنی مشرکین ان کی۔ بتوں کی عبادت کرتے ہیں ۔ ان کو معبود سمجھتے ہیں۔ اللہ بڑا معبود ہے وہ چھوٹے معبود ہیں۔ ہم ایسے نہیں۔ زیارت کے فقرے ہیں۔ ایک زیارت ہم کو تعلیم فرمائی۔ جا کے پڑھ لیجئے کہ کس طرح سے۔ یوں کہ اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا و سبحان اللہ بکرۃ واصیلا۔ اللہ اکبر

یہاں سے زیارت شروع ہوتی ہے۔ الحمد للہ وہ زیارت جامع۔ شب جمعہ' علامہ مجلسی ہمیشہ شب جمعہ کو زیارت جامع پڑھتے تھے۔ یہ وہ زیارت ہے کہ جس میں آپ کو تفصیل ملے گی۔ نزلوں۔ وقولو۔ دیکھو ہمیں رب نہ کہو۔ اس کے بعد جو چاہے کہو۔ تو اس میں صرف رب نہیں کہا گیا۔ باقی سب فضائل ہی فضائل ہیں۔ زیارت جامع سے پہلے سو مرتبہ اللہ اکبر ہے۔ تا کہ توجہ ان کی عظمت سے اللہ کی عظمت کی طرف اچھی طرح مبذول ہو راسخ ہو۔ اللہ بزرگ و برتر ہے۔ والحمد للہ۔ شکر ہے اس کا کہ اس نے ہمین اپنے دین کی طرف۔ اور ہمیں توفیق دی اس راہ کی جس کی طرف اس نے ہمیں دعوت دی ہے۔ تو سب سے زیادہ کریم ہے۔ میں آیا ہوں تیرے پاس۔ میں تقرب چاہتا ہوں تجھ سے۔ لیکن کس واسطے سے۔ تیرے محمد نبیؐ کے دونوں فرزندوں کے واسطے سے۔ یعنی امام محمد نقی اور باب الحوائج امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے۔ آپ بتایئے اس میں کوئی فقرہ ایسا ہے جو شرک پہ دلالت کرتا ہے زیارت کے بعد دو رکعت نماز اور اس میں کیا کہا ہے۔ اے میرے معبود' میں نے نماز پڑھی۔ رکوع کیا' سجدہ کیا' تیرے لئے۔ اس میں کون سا کلمہ ہے کہ عبادت پر دلالت نہیں کرتا۔ تو بتایئے یہ کلمہ شرک کہنا ظلم نہیں ہے۔ از اول تا آخر تمام زیارتوں کے معنی بتاؤں میں۔ آپ کو تو وہی ملے گا ان زیارتوں میں جو اللہ نے قرآن میں انداز رکھا ہے۔ تمام توحید و نبوت و شریعت کا تذکرہ موجود ہے۔ کہیں ایسا کلمہ نہیں ملے گا شرک کا۔ ایسی توحید کا' ہاں میں چیلنج کرتا ہوں۔ جس کا جی چاہے آ کے امتحان کرے۔ میں چوبیس گھنٹے موجود ہوں۔ بتا سکتا ہوں۔ کہیں کوئی ایسی توحید۔ کہ جیسا توحید کا درس ان قبور آئمہؑ سے ملتا ہے کہیں دنیا میں ایسا نہیں ملے گا۔ ایسی خالص توحید جو آپ کو اس در سے ملے گی۔ اور اس کے بعد یاد رکھئے گا۔ کہ ایسا خود انسان وہاں پہنچ کر کے مجبور ہے اس امر کی گواہی دینے پر کہ

واقعاً" یہ زندہ ہیں۔ جو زندگی کی گفتگو کی جاتی ہے اور سید الشہداء کی جو رواق میں زیارتیں ہیں۔ پہلے رواق میں۔ پھر دوسرے رواق میں اور اس کے بعد پھر اندر جانے کے وقت۔ وہ زیارتیں۔ لوگوں نے سمجھا نہیں۔ پیغمبرؐ حق خود اپنی حیات میں اس پر زور دیا ہے۔ یہ حج یہ حج کیا ہے۔ یہ صرف بہانہ ہے اس بات کا۔ آپ یقین جانئے کہ تمام عالم سے لوگ لاکھوں کی تعداد میں محمد و آل محمدؑ کی ملاقات کو آئیں۔ حج یوں واجب کیا۔ اور اس معروف حدیث میں کہ جس کو لوگ غلط سمجھتے ہیں۔ پیغمبرؐ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ قرآن میں ہے نہ کہ واختلاف لیل والنہار۔ رات دن کا بدلنا۔ یعنی رات جب جاتی ہے تو دن آ جاتا ہے اور جب دن جاتا ہے تو رات آ جاتی ہے رات دن کے بدلنے کو اختلاف کہتے ہیں ۔ اسی طرح لوگوں کا میرے اہل بیت کے پاس آنا جانا رحمت ہے۔ بہرحال یہ زیارت سید الشہداء کی شب ہے۔ زیارت کا فقرہ ہے۔ وبابی انتم وامی طبتم وطابت الارض التی فیھا دفنتم وہ زمین طیب و طاہر ہے۔ جس میں آپ دفن ہیں۔ پیغمبرؐ کا ارشاد ہے کہ زمین میرے لئے مسجد بنائی اور طھورا۔ پاک۔ یہ کیا خوبی ہے کربلا کی زمین میں جو یہ کہا جا رہا ہے کہ طابت الارض التی فیھا دفنتم۔ وہ زمین طیب و طاہر ہے کہ جس میں آپ دفن ہیں۔ تمام زمین پاک ہے۔ اس میں شک نہیں۔ سرزمین کاظمین، سامرہ سب پاک ہیں۔ مگر فرق ہے سرزمین کربلا میں۔ ہر مشہد میں زمین اور امام میں فاصلہ ہے کفن کا۔ مگر آپ زیارت میں پڑھتے ہیں کہ سلام اس مظلوم پر کہ جسے بغیر غسل و کفن دفن کیا گیا۔ جسم سید الشہداء متصل ہے زمین سے۔ اجرکم علی اللہ۔ خدا آپ کو کسی غم میں نہ رلائے سوائے غم حسینؑ کے۔ لیکن معلوم ہے کہ کس نے دفن کیا ہے امام حسینؑ کو جب بنی اسد آئے ہیں عورتوں کے کہنے سے یا بہرحال۔ جب وہ آئے ہیں تو دیکھا کہ قتل گاہ میں۔

میدان میں بہت سے لاشے ہیں۔ اور سب لاشوں سے نور ساطع ہو رہا ہے۔ آسمان تک جا رہا ہے۔ مگر یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ کون سا لاشہ آقا کا ہے اور کون سا غلام کا۔ حیران و پریشان کھڑے ہیں۔ اتنے میں دیکھا کہ کوئی آ رہا ہے۔ پہلے تو ڈرے۔ مگر دیکھا نحیف و ناتواں گلے میں خار دار طوق۔ بیمار کربلا اور امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ میرے باپ کا پیر شتر کے پاؤں سے اس طرح باندھ دیا جاتا تھا کہ وہ ہل نہیں سکتے تھے۔ اوپر سے تازیانوں کی بارش ہوتی ہے۔ کیا معیبت بیان کروں۔ جناب سید الساجدینؑ کی کہ میرے باپ کے جسم سے خون گرتا تھا۔ وہ مرثیہ جو خود کہا ہے یعنی زین العابدینؑ کے حالات پڑھ جایئے آپ نے انسانوں کو تو چھوڑ دیجئے۔ کبھی کسی جانور کو۔ آپ نے کتنے حج کئے پا پیادہ۔ کبھی اپنی سواری کو تازیانہ نہیں لگایا۔ یہاں تک دیکھا کہ وہ سوار بھی نہیں ہوتے۔ آپ نے خصوصیت سے امام محمد باقر کو وصیت میں بھی اس کے متعلق فرمایا۔ امام امام سے وصیت کر رہا ہے۔ ناقہ اس قابل تھا کہ اس کے متعلق وصیت فرماتے۔ جب ان کے ناقے کو یہ علم ہوا کہ سید سجادؑ دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔ اور امام محمد باقرؑ نے انہیں دفن فرمایا ہے۔ ناقے نے قبر کو دیکھا۔ جب لوگ چلے گئے تو وہ ناقہ قبر پر آگیا۔ اور اپنا سر قبر پر مارنا شروع کیا۔ لوگوں نے امام محمد باقرؑ کو اطلاع دی۔ وہ قبر پر آئے اور اس کی زبان میں کچھ کہا۔ وہ حکم امام کی اطاعت میں واپس آگیا۔ مگر پھر تھوڑی دیر بعد قبر پر جا کر اس طرح سر مارنا شروع کر دیا۔ لوگوں نے پھر امام کو اطلاع دی۔ وہ پھر آئے۔ اور کچھ کہا۔ پھر امام نے لوگوں سے کہا کہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ یہ امام کے فراق میں جان دے دے گا۔ دیکھئے امام نے منع نہیں فرمایا۔ اس نے فراق امام میں اپنے سر کو اتنا زمین پر مارا کہ جان دے دی۔ امام محمد باقرؑ نے گڑھا کھود کر اسے دفن کر دیا۔

آپ نے دیکھا کہ جو با معرفت ہوتا ہے۔ وہ ایسا ہی کرتا ہے۔ یہی حال

ذوالجناح کا ہے۔ کہ اس نے جب امام کی شہادت کی خبر خیمہ گاہ تک پہنچائی ہے اپنے منہ پر خون مل کر۔ تو سب بیبیوں نے اسے گھیر لیا۔ معلوم کیا کہا۔ کسی نے کہا میرا آقا کیا ہوا۔ کسی نے کہا میرا بھائی کیا ہوا۔ سکینہ بھی آئی اس نے کہا کہ اے ذوالجناح میرے باپ کو پانی بھی ملا کہ پیاسہ شہید کر دیا۔ غرض خیمہ گاہ سے فارغ ہو کر وہ خیمے کے پیچھے چلا گیا۔ اور اپنا سر اتنا زمیں پر مارا کہ وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اجر کم علی اللہ خدا آپ کو کوئی غم نہ دکھائے سوائے غم حسین کے۔ رونے اور رلانے والوں میں قرار دے۔ بہر حال وہ بیمار امام کہ جس نے اپنی عمر میں کسی جانور کو تازیانہ نہیں مارا۔ وہ یہ کہہ رہا ہے کہ بابا اب مجھ سے تازیانے نہیں کھائے جاتے۔ معلوم ہے۔ حضرت یوسفؑ کا واقعہ پڑھ رہا تھا۔ کہ جب وہ زنان مصر سے تنگ آگئے تو کہا مجھے قید خانہ میں رہنا مرغوب ہے۔ قرآن ہے۔ زنان مصر نے مشورہ کر کے صلاح دی زلیخا کو کہ اسے تین چار دن کے لئے قید کر دو۔ یہ ٹھیک ہو جائے گا۔ زلیخا کی سمجھ میں یہ بات آگئی۔ اس نے عزیز مصر سے کہا کہ میں اس کنعانی غلام کی وجہ سے بدنام ہو گئی ہوں۔ تو اسے قید کر دیجئے۔ اس نے حکم دے دیا۔ تو زلیخا نے کیا کہا۔ ایک حداد کو بلایا لوہار کو۔ اسے کہا کہ تو ایک طوق تیار کر دے اس طرح کا۔ ایک بیڑی اور ایک زنجیر۔ جب لوہار نے دیکھا یوسفؑ کو۔ اس کے ہاتھوں کو دیکھا۔ گلے کو دیکھا۔ اس کے پاؤں کو دیکھا تو وہ چیخ اٹھا۔ اس نے کہا کہ زلیخا تم یہ کیا کر رہی ہو۔ اس کے ہاتھ، پاؤں، گلا اس قابل ہیں کہ اسے طوق، بیڑیاں وغیرہ پہنائی جائیں۔ اس نے کہا تم رحم کرتے ہو۔ ملکہ تھی۔ چنانچہ اس نے وہ سب کچھ بنا دیا۔ مگر یہاں ایسا کوئی کہنے والا نہ تھا۔ ایک زنجیر حسینؑ کی کم سن بچی سکینہؑ کے گلے میں ڈالی گئی۔ ہائے کسی نے نہیں کہا کہ اس بچی کا گلا اس قابل نہیں۔ جب ان قیدیوں کو دربار یزید میں لایا گیا اور زنجیر کھولی گئی تو سکینہؑ نے ایک ہاتھ گلے پر اور ایک

ہاتھ گلے پر اور ایک منہ پر رکھ لیا۔ جب شمر نے تعارف کرایا کہ ھذہ زینبؑ ھذہ ام کلثومؑ، ھذہ رقیہ اور ھذہ سکینہؑ تو سکینہ نے کہا کہ اے یزید۔ کربلا سے کوفہ۔ کوفہ سے شام تک زنجیر میں باندھ کر لایا گیا ہے۔ اس زنجیر کا زخم اب تک موجود ہے گلے میں۔ کوئی ایسا نہیں تھا جو کہتا کہ یہ گلا اس قابل نہیں ہے۔ جب حضرت یوسفؑ کو طوق پہنایا اور اعلان کرایا کہ عزیز مصر کے حرم پر بہتان لگانا اس کی یہ سزا ہے۔ ایک لاکھ مرد عورتیں یہ حال دیکھنے کے لئے موجود تھیں۔ عورتوں مردوں کا کیا عالم تھا۔ کہ جس کی نظر حضرت یوسفؑ پر پڑتی تھی وہ کہتا تھا کہ یہ انسان نہیں ملک ہے فرشتہ ہے۔ یہ مظلوم ہے۔ یہ مسکین ہے۔ یہ بیچارہ ہے۔ کوئی ایسا نہیں ہے جس نے رحم نہ کھایا ہو۔ یاد رکھئے یوسف بھوکے نہیں تھے۔ پیاسے نہیں تھے۔ یوسفؑ کی ماں اور بہنیں ساتھ نہیں تھیں۔ یوسفؑ کو تازیانے نہیں لگائے گئے۔ مگر یہ یوسفؑ جس کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ ماں اور بہنیں ایک رسی میں بندھی ہیں تازیانوں پر تازیانے لگا رہے تھے۔ شام میں کوئی ایسا نہیں تھا جو یہ کہتا کہ یہ مظلوم ہے۔ بلکہ یوسفؑ کے باپ کا سر نیزے پر نہیں تھا۔ اللہ اکبر جناب امام زین العابدینؑ کے باپ کا سر نیزے پر تھا۔ وہ جب قرآن پڑھتا تھا تو لوگ پتھر مارتے تھے۔ فسیعلمون الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

☆☆☆☆☆

ساتویں مجلس

الحاصل ایت الکرسی کا ایک اساسی مقصد از جہت عبادت نوع انسان کو موحد بناتا ہے کہ صرف ایک خدا کی عبادت کی جائے۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں یہ کلمہ آیا ہے اس کا مقصد صرف یہی ہے۔ اس کلمے کی پر اسرار عظمت کو سمجھنے کے لئے امام حسن علیہ السلام کا یہ واقعہ سامنے رکھنا چاہیئے۔

ایک شخص نے یہ دعوی کر دیا کہ امام حسن علیہ السلام پر اس کا ایک ہزار دینار ہوتا ہے۔ بات بڑھتے بڑھتے قاضی کے پاس پہنچی۔ اس نے امام حسن علیہ السلام سے باادب کہا کہ کیا آپ قسم کھائینگے ؟ دیکھئے وہ یہ نہیں کہتا کہ آپ قسم کھائیں۔ آخر وہ اس منصب پر بیٹھا ہے وہ جانتا ہے کہ جناب حسن مجتبے علیہ السلام امام زمانہ ہیں۔ آپ یہ بات بھی سمجھ لیں کہ یہ ظلم کرتے تھے۔ اور دانستہ طور پر یہ جانتے ہوئے معاویہ کا یہ احوال تھا جب تنہائی میں امام ہمام سے ملتا تو تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاتا۔ اگر احباب میں ملتا تو پاؤں پسارے لیٹا رہتا۔

پہلے ایک واقعہ کہ معاویہ نے امام حسن علیہ السلام سے کہا کہ آپ کے نانا تو یہ بتا دیتے تھے کہ اس باغ میں اتنا ہی خرما نکلے گا۔ پوچھنے والا باغ خرید لیتا اور خرمے اتار کر وزن کرتا تو اتنا ہی وزن ہوتا۔ جو رسالتمآب فرماتے تھے۔ کیا آپ یہ بتا سکتے ہیں ؟ امام حسن علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے نانا صلعم تو صرف وزن بتاتے تھے۔ میں ان کی تعداد بھی بتا سکتا ہوں۔ اس نے کہا فلاں باغ میں چلیں۔

باغ میں پہنچ کر آپ نے فرمایا کہ سارے باغ کا وزن اور تعداد بتاؤں یا ایک ایک درخت کا۔ معاویہ نے کہا اس ایک درخت کے خرموں کی تعداد بتائیے۔ آپ نے فرمایا تین ہزار چونسٹھ دانے ہیں اس میں۔ ایک آدمی کو درخت پر خرمے اتارنے کے لئے بھیجا۔ اس نے ایک خرمہ جیب میں ڈال لیا۔ جب شمار کیا تو تین ہزار تریسٹھ نکلے۔ معاویہ نے کہا حضور آپ نے تو چونسٹھ بتائے تھے یہ تریسٹھ نکلے آپ نے فرمایا کہ معاویہ یہ توڑنے والا بھی تیرے جیسا ہے جب تلاشی لی تو ایک دانہ اس کی جیب سے نکلا۔

الحاصل۔ کیا قاضی نہیں جانتا کہ آپ اس منزل پر فائز ہیں؟ وہ سمجھتا ہے۔ لہذا اس نے باادب عرض کی کہ آپ قسم کھائیں گے۔ آپ نے فرمایا 'لا' نہیں میں قسم نہیں کھاؤں گا۔ ہاں یہ جھوٹا دعویٰ کرنے والا مدعی اگر قسم کھالے تو میں ایک ہزار دینار دے دونگا۔۔۔۔ اس سے ایک بات یہ سامنے آئی کہ اگر امام پر جھوٹا الزام لگایا جا سکتا ہے تو ہماری کیا حقیقت ہے۔ ہاں اگر جھوٹا الزام لگایا جائے تو انسان کو اس سے متاثر نہیں ہونا چاہیئے۔۔۔۔ پیغمبر اسلام کا واقعہ ہے۔ مال غنیمت میں ایک بہت عمدہ چادر آگئی تھی ہر ایک کی نظر اس چادر پر تھی۔ پیغمبر نے فرمایا کہ اسے رکھ دو۔ جنگ کے خاتمے پر اس کا فیصلہ ہو گا۔ وہ چادر غائب ہو گئی اب آپ یہ بتائیے کس کے بارے میں خیال ہو سکتا ہے۔ پیغمبر از سر تا پا اعجاز مگر یاد رکھیے کہ کسی اور کے متعلق خیال نہیں ہوا۔ ایک صاحب نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ رسول اللہ نے یہ چادر۔۔۔۔ جب اس نے یہ کہا تو فوراً جبرائیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے ماکان لنبی۔۔۔۔۔ (پارہ نمبر ۴۔ رکوع نمبر ۸) کہ کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے۔ یہ تو سیدالانبیاً ہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ایک صاحب جواب تک خاموش تھے بولے کہ حضور فلاں صاحب نے یہ چادر

فلاں جگہ چھپا رکھی ہے صادق آل محمدؑ نے فرمایا۔ دیکھو ہر ایک راضی نہیں کیا جا سکتا اور ہر ایک کی زبان بند نہیں کی جا سکتی اگر آپ یہ چاہیں کہ سب اچھا نہیں تو یہ ایک قسم کا جنون ہے۔ ہر ایک کو خوش نہیں کیا جا سکتا۔ آپ نے دیکھا کہ جب پیغمبرؐ کی طرف غلط نسبت دے دی تو آپ کیا ہوتے ہیں۔ صرف للہ فی اللہ۔ اللہ کے لئے عمل کیجئے آپ۔ اس کا صلہ وہاں سے ملے گا۔ کوئی ایسا نسخہ استعمال کیجئے کہ وہاں سے نشر و اشاعت ہو۔ شب جمعہ ہے۔ آپ دعائے کمیل تو پڑھتے ہیں۔ دعائے کمیل میں جناب امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اے میرے معبود بہت سی خوبیاں ایسی ہیں کہ جس کا میں اہل نہیں۔ تو نے اس کی نشر و اشاعت کر دی۔ ایک نکتہ سمجھ لیجئے کہ محمدؐ و آل محمدؐ کے فضائل باجوود نہایت سخت دشمنی۔ عداوت اور مخالفت کے کیونکر ابھرتے رہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے فضائل کی نشر و اشاعت وہاں سے ہوتی رہی ہے۔ تو انسان اپنے آپ کو اسی منزل پر لے آئے کہ وہاں سے نشر و اشاعت ہو۔

ایک ہزار دینار کا دعوی ہوتا ہے امام پر۔ قسم۔ جھوٹی قسمیں آبادیوں کو کھنڈرات میں بدل دیتی ہیں کلام معصوم حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا کہ جھوٹی قسمیں نہ کھاؤ۔۔۔۔ امام حسن علیہ السلام نے قسم کھانے کو قبول نہیں فرمایا۔ اب قاضی نے اس سے کہا کہ قسم کھاؤ یہ نہیں کہا کہ تم قسم کھاؤ گے؟ قاضی سمجھتا ہے کہ یہ ابھی قسم کھائے گا۔ لہذا قاضی نے کہا یہ قسم کھاؤ کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ میں نے ایک ہزار دینار لینا ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ نہیں یہ قسم نہیں۔ بلکہ یہ قسم کھاؤ کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں اس نے یہ قسم کھائی اور وہ مر گیا۔ کسی نے امام حسن علیہ السلام سے پوچھا کہ حضور کیا راز تھا کہ قاضی شرح نے جس قسم کو پیش کیا آپ

نے قبول نہیں فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں کلمہ توحید کا ذکر تھا۔ اللہ لا الہ الا هو کہ جس سے آیت الکرسی شروع ہوتی ہے۔ تو میں ڈرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ اس کلمے کی برکت سے اسے بخش دے۔

یہ ہے کلمہ توحید۔ اس کلمے کی عظمت اب آپ کی سمجھ میں آئی شجرۂ انسانیت کی جڑ یہی کلمہ ہے۔ اس کی جگہ کہاں ہے ؟ اسے وہاں ہونا چاہیئے جہاں اہل بیت کی محبت ہے۔ قل لا استلکم علیہ اجرا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(پارہ نمبر ۲۵ رکوع نمبر ۴) کبھی آپ نے لفظ مودت پر غور فرمایا؟ باری تعالی نے لفظ مودت کیوں استعمال فرمایا۔ محبّ کے تین لفظ ہیں۔ ود۔ مود۔ مودت اور تینوں کے معنی محبت کے ہیں۔ لفظ مودت استعمال کرنے میں راز تھا کہ مودت میں دو دو دال ہیں۔ ایک دال دوسری دال میں مدغم ہے۔ اور ایک نظر آتی ہے لہذا اہلبیت کی محبت دل میں اسی طرح مدغم ہو جانا چاہیئے کہ قلب اور مودت میں کوئی فرق نہ ہونا چاہیئے لہذا شجرۂ کمال' انسانیت' کلمۂ توحید' وہاں ہونا چاہیئے جہاں مودت اہلبیت ہے۔ اس کلمہ کا صحیح فائدہ جب ہے کہ یہ کلمہ قلب میں نفوذ کر جائے۔ جب اسکا اثر ظاہر ہوگا پیغمبرؐ کی بعثت کا مطلب ہی یہ ہے۔ قولو لا الہ الا اللہ کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھو۔ فلاح پا جاؤ گے۔ اپنی مراد کو پہنچ جاؤ گے یہاں تک کہ عالم کی کسی شئی میں تصرف نہ کرے مگر اس کی اجازت سے۔ مالک مطلق کے حکم سے۔ (یہاں سے کچھ فضائل اور مصائب بجلی کی خرابی کی وجہ سے ٹیپ نہ ہو سکے۔

آیت الکرسی میں سب سے پہلے جو معبود حقیقی کی صفت بیان کی گئی ہے وہ ہے صفت حیات۔ وصف حیات۔ یعنی اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور وہ زندہ ہے۔ خود ساختہ معبودوں کی طرح مردہ نہیں۔ اس کی حیات

جانداروں کی حیات کے مانند نہیں اس کی حیات ذاتی ہے۔ یہ حیات اس کی ذات سے منفک نہیں ہو سکتی۔ جو چیز ذات سے جدا ہو جائے وہ ذاتی نہیں۔ جیسے حرارت۔ یہ آگ کی ذاتی ہے۔ آگ سے حرارت کبھی منفک نہیں ہو سکتی۔ ذاتی کے معنی لاینفک جو ذات سے جدا نہ ہو سکے۔ اور جس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی واقع نہ ہو سکے۔ اسے کہتے ہیں ذاتی۔ تو معبود حقیقی کی حیات ذاتی ہے۔ اور دوسروں کی حیات وہ عارضی ہے۔ اس کی ابتداء ہے انتہا ہے وسط ہے۔ ایک مثال سے سمجھ لیجئے جہاں جہاں حیات ذاتی ہے وہ سب اس کا عطیہ ہے جیسے نمک اور اس کا نمکین ہونا۔ جس جس چیز میں نمکیت ہے وہ اس نمک کی وجہ سے ہے۔ کباب میں۔ سالن میں۔ اور خود نمک میں ذاتی ہے۔ سالن کا نمکین ہونا ذاتی نہیں ہے۔ پہلے یہ نمکین نہیں تھا۔ یہ نمک سے نمکین ہوا۔ لیکن نمک جب سے ہے وہ نمکین ہے۔ اس طرح روغن اور اس کی چکناہٹ۔۔۔۔ جہاں جہاں حیات ہے اس کی عطا ہے۔ اور اس کی حیات ذاتی ہے اس کی ذات ہی مظہر ہے۔ آثار صفت حیات۔ اسے کسی نے حیات نہیں دی۔ یعنی جس جس کو ہم زندہ کہتے ہیں۔ زندہ ہونے کی حالت میں وہ مردہ ہے۔ آفتاب زمین سے یہ کہہ سکتا ہے کہ تو تاریک ہے اگر میں اپنا منہ تجھ سے پھیر لوں تو تو ظلمت ہی ظلمت ہے۔ واجب الوجود جو بالذات حیئ ہے۔ جو بالذات حیئ ہے وہ تمام مخلوق سے یہ کہہ سکتا ہے اور کہتا ہے کہ تم سب کے سب میت ہو بس میں ہوں حیئ۔ اگر میں اپنی توجہ ابھی ہٹالوں تو تم سب مردہ ہو (یہاں کچھ چھینٹے پڑ گئے) بارش تو ہو گی۔ یہ رحمت ہے ایک شخص نے کہا میں رحمت سے بھاگتا ہوں۔ سب حیران ہوئے۔ امیر المومنین نے فرمایا یہ بارش سے بھاگتا ہے۔

دوسری بات۔ یہ خیال نہ کیجئے کہ صرف زمین ہی ہیں جاندار رہتے

ہیں۔ اجرام فلکی۔ یہ سب مخلوق ہے۔ آج سے چودہ سو سال قبل قرآن نے اس سربستہ راز سے پردہ ہٹادیا تھا۔ زعمائے جدید بھی اسکے قائل ہوتے جاتے ہیں قرآن ہے ۔۔۔۔ میں اپنی قدرت کی نشانیاں آگے چل کر دکھاؤں گا۔ جلدی نہ کرو۔ عجلت نہ کرو۔ جاندار صرف اسی کرہ میں نہیں۔ آسمانوں میں زندہ مخلوق ہے۔ قرآن کریم سورہ شوریٰ کی آیت ومن آئتہ خلق السموات والارض ومابث (پارہ نمبر ۲۵ رکوع نمبر ۴) اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں کا پیدا کرنا اور زمین کا خلق کرنا۔ اوران جانداروں کا خلق کرنا جنہیں آسمانوں اور زمینوں میں پھیلا رکھا ہے ومابث فیھما من دابۃ (جانداروں) 'ما' لفظ ما' موصولہ۔ یا ایہاالرسول بلغ ما۔ (پارہ نمبر ۴ رکوع نمبر ۱۴) وہ چیز جس کو تمہاری طرف نازل کیا جا چکا ہے۔ کہاں نازل کیا کیسے کیا۔ کب کیا۔ بلا واسطہ یابالواسطہ بہر حال اسم ما موصول ہے اور اسم موصول مبہم ہوتا ہے۔ ابہام ہوتا ہے۔ مخاطب خود سمجھ رہا ہے۔ پیغمبرؐ کو تو معلوم ہے کہ کیا نازل کیا۔ اس کا ذکر نہیں کہ بلاواسطہ ہے بالواسطہ۔ جبریل کی خلقت سے پہلے۔ زمین پر۔ آسمان پر۔۔۔۔ بہر حال اس ابہام کو رفع کیا پیغمبرؐ نے اپنے بیان سے اور ان جانداروں کا پیدا کرنا آسمانوں اور زمینوں میں جنہیں پھیلا دکھا ہے۔ 'دابۃ' کا اطلاق اس آیت سے سمجھیں۔ بارھواں پارہ شروع ہوتا ہے اس آیت سے وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا۔۔۔ اور کوئی زمین پر چلنے والا ایسا نہیں مگر یہ کہ اس کا رزق خدا کے ذمہ ہے۔ وہی دابۃ یہاں ہے وہی دابۃ وہاں ہے۔ جو بھی چلے اسے کہتے ہیں زندہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جاندار مخلوق صرف زمین پر ہی نہیں آسمان پر بھی ہے صادق آل محمدؐ صلعم کا ارشاد ہے کہ یقیناً تمہارے اس آفتاب کے علاوہ چالیس آفتاب اور ہیں۔ تعداد بتائی ہے یہ عدد کون بتائے گا؟ جن کو علم ہے۔ دیکھتے ہیں۔

جانتے ہیں۔۔۔اس پہ تو چوٹ ہو گئی تھی اس نے کہا جناب میں بھی خلق کر سکتا ہوں۔ اس نے وہ چیونٹیاں لا کر دے دیں۔ حضرت نے فرمایا اگر تم نے خلق کیا ہے انہیں تو بتا کتنی مادہ۔ کتنے نر ہیں۔۔۔اس ماہتاب کے علاوہ چالیس چاند اور ہیں۔ اور ان میں بھی کثیر مخلوق ہے۔ اس کثیر مخلوق کو جو آسمانوں میں ہے یہ علم نہیں کہ اللہ نے زمین پر آدم کو خلق کیا ہے۔ یا نہیں۔ انصاف سے فرمائیے کہ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ ان کو علم نہیں۔ جس کا یہ کلام ہے وہ متکلم باخبر ہے۔ اس مخلوق سے۔ امام ہو نہیں سکتا جب تک کہ وہ باخبر نہ ہو۔ وہ آتا ہے دنیا میں علم کے ساتھ۔ واضح ہوا کہ صرف زمین پر ہی مخلوق نہیں۔ آسمانوں پر بھی مخلوق ہے۔ دوسری حدیث جناب امیر المومنین علیہ السلام سے ہے یقیناً یہ ستارے جو آسمان میں ہیں یہ شہر ہیں مانند ان شہروں کے جو زمین کے اوپر ہیں' اس سے یہ استفادہ ہوا کہ وہ مخلوق جو وہاں ہے وہ متمدن ہے۔ عاقلانہ زندگی بسر کرنے کے لئے شہر کی ضرورت ہے۔ اب آدمی اس حدیث کو اس سے ملالے۔ میں اسمانوں کے راستوں سے زمین کے راستوں سے زیادہ واقف ہوں۔ حدیث کساء تو آپ پڑھتے ہی ہیں۔ یا ملائکتی و یاسکان السموواتی ۔ اور اے میرے آسمانو کے بسنے والو۔ یہ دلیل ہے کہ آسمانوں پر ملائکہ کے علاوہ بھی مخلوق یعنی بسنے والے موجود ہیں۔ یہ اس نے تمام مخلوق کو سنایا۔ کہ یہ سب کچھ کن کی محبت میں پیدا کیا کس کے لیے پیدا کیا۔

ایک دن۔ ابو حمزہ ثمالی ناقل ہیں۔ یہ اپنے زمانے کے سلمان تھے جن کی دعا ہے "دعاء ثمالی" یہ فرماتے ہیں کہ ابو اسحاق کا بیان ہے کہ میں ایک دن مسجد کوفہ میں آیا دیکھا کہ ایک کبیر سن آدمی سر اور ریش کے بال سفید ہیں رو رہا ہے میں نے دریافت کیا کہ آپ کیوں گریہ کر رہے ہیں انہوں نے کہا کہ میری عمر ایک

سو سال سے زائد ہے۔ اپنی اس عمر میں میں نے صرف دن کے دو گھنٹے عدل اور دو گھنٹے میں نے رات میں حلم۔ عدل اور حلم کو دیکھا ابو اسحاق نے پوچھا کہ وہ دن اور رات کے دو گھنٹے کو نسے تھے۔ اس نے بیان کیا کہ میں یہودی تھا۔ اور میں بغداد کے مضافات کا رہنے والا ہوں۔ میں کسان ہوں۔ میرا مزارعہ گدھا کھیت وہیں تھا۔ جہاں میرا کھیت تھا وہیں اس کے پہلو میں حارث ہمدانی کا بھی کھیت تھا جس کی وجہ سے ہمارے تعلقات پیدا ہو گئے۔ حارث ہمدانی امیر المومنین کے حواریوں میں سے ہیں۔ جس کے متعلق فرمایا تھا کہ یا حارث جو مرے گا وہ ضرور مجھے دیکھے گا چاہے مومن یا منافق۔ مرنے سے پہلے وہ مجھے ضرور دیکھے گا۔ الحاصل ایک روز میں شب میں پانچ گدھوں پر گندم لاد کر کوفے سے چلا بیچنے کے لئے۔ جب کوفے کے صحرا میں پہنچا تو دفعتاً میں نے دیکھا کہ نہ گدھے ہیں نہ غلہ ہے تلاش کے بعد مایوس ہو گیا۔ تو واپس آیا۔ حارث ھمدانی کے پاس آیا اور واقعہ بیان کیا حارث ھمدانی مجھے فوراً امیر المومنین کے پاس لے گیا وہاں امیر المومنین نے فرمایا کہ حارث تم تو آرام کرو۔ اور میں ضامن ہوں اس کے گدھے بھی دلوا دوں گا۔ اور غلہ بھی۔ امیر المومنین مجھے لے کر اسی جگہ پہنچے اور وہاں پہنچ کر کچھ فرمایا۔ زبان ہل رہی ہے مگر میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔ حضرت نے آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا۔ آخری فقرہ میری سمجھ میں آیا۔ کہ تم لوگوں نے میری بیعت اس پر نہیں کی تھی۔ فوراً اس کے گدھے مع غلہ کے لوٹا دو۔ ورنہ میں تلوار اٹھاتا ہوں۔ حضرت نے یہ فرمایا ہی تھا کہ وہ گدھے مع غلے کے موجود ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت مجھ سے فرماتے ہیں کہ تو انہیں ہنکائے گا میں آگے آگے چلوں یا میں انہیں ہنکاؤں اور تو آگے آگے چل۔ انصاف سے فرمائیں۔ کہ ایسا حکم کہاں ملے گا۔ دنیا ایسی کوئی نظیر پیش کر سکی۔ حضور آگے

چلے وہ پیچھے ہنکاتا چلا۔ جب رغبہ پہنچے۔ یہ کوفے کے قریب ہے۔ جب امام زمانہ ظہور فرمائیں گے تو اسی رغبہ میں قیام فرمائیں گے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا رات ابھی زیادہ ہے تم سو جاؤ۔ میں حفاظت کرتا ہوں پاسبانی کرتا ہوں۔ وہ سو گیا۔ جب اذان کا وقت آگیا تو حضرت نے فرمایا کہ صبح ہو گئی ہے۔ میں نماز پڑھتا ہوں۔ مسجد کوفہ میں نماز پڑھی تعقیبات ختم کیں۔ واپس آئے تو سورج چڑھ آیا تھا۔ آپ نے فریا کہ میں غلہ اتارتا ہوں تو لجام پکڑ۔ یا میں لجام پکڑتا ہوں تو غلہ اتار۔ اس نے کہا میں غلہ اتارتا ہوں۔ حضرت نے لجام تھامی۔ جب غلہ اتر گیا تو آپ نے فرمایا میں تولتا ہوں تو رقم وصول کر یا میں رقم لیتا ہوں تو غلہ تول۔ دیکھئے یہ کیا ہے۔ اسنے کہا میں تولوں گا آپ پیسے لیں۔ وہ جلد جلد تمام بک گیا حضرت نے پیسے اکٹھے کئے اور اسے دے دیئے۔ اب آپ نے فرمایا کہ کچھ اور کام باقی ہے۔ اس نے کہا کچھ نہیں صرف میں نے بازار سے بچوں کے لئے کچھ چیزیں خریدنا ہیں۔ امیر المومنین علیہ السلام ساتھ گئے۔ اور بازار سے چیزیں خرید دیں۔ انصاف سے فرمائیں کوئی ایسا حاکم ملے گا۔ صادق آل محمدؑ فرماتے ہیں کہ کوفے میں کوئی ایسا نہ تھا کہ خوشحال نہ ہو آپ نہیں جانتے کوفے میں سخت گرمی اور سخت سردی ہوتی ہے کہ لوگ سرداب میں چلے جاتے ہیں۔ اسوقت امیر المومنین علیہ السلام گھر کی ڈیوڑھی پر آکر بیٹھ جاتے۔ کسی نے پوچھا حضور آپ اسوقت گرمی میں یہاں بیٹھ جاتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ اس لئے کہ اگر کوئی مجھے ملنے آئے تو اس کو اس گرمی میں انتظار کی زحمت نہ ہو۔ انصاف فرمائیں ایسا حاکم ملے گا؟

ذرا سے اقتدار سے دماغ میں ہوا بھر جاتی ہے۔ وقت مقرر ہونے لگتے ہیں۔ ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ وقت مقرر کیا کریں۔ میں نے کہا وہ تو اللہ

کی طرف سے مقرر ہے۔ جب آئے گا آجائے گا۔ بہر حال میر ادروازہ مسائل دیجیہ کے لئے ہر وقت کھلا ہے۔ کھٹکھٹانے کی بھی ضرورت نہیں آپ جب چاہیں آجائیں میں آپ کی طرح بشر ہوں یہاں یہ فقرہ سجتا ہے۔ میرے لئے یہ سچ ہے۔ کہ آپ جیسا بشر ہوں۔

ایک بات اور بتادوں کہ جناب امیر المومنین نے دوست دشمنوں کے مجمع میں یہ بات فرمائی کہ دیکھو۔ میرے عہد میں کوئی ایسا شخص نہیں غریب سے غریب جو خالص گیہوں کی روٹی نہ کھاتا ہو۔ اور فرات کا پانی نہ پیتا ہو۔ اور جب ایسے وسائل نہ تھے۔ اگر اس میں کچھ کلام ہو تا تو دشمن ضرور اٹھ کر کہتے کہ مجھے یا فلاں کو یہ سب کچھ میسر نہیں آتا۔ جب وہ عراق میں داخل ہوئے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ دیکھو میں اس لباس سے داخل ہو رہا ہوں۔ جب میں جاؤں تو اگر اس سے زیادہ میرے پاس ہو تو سمجھنا کہ علی نے خیانت کی ہے۔ اللہ اکبر۔ آپ نے ایک روز بھی عراق کا نہیں کھایا۔ حجاز سے آپ کے باغ کا غلہ آتا تھا وہ کھاتے تھے۔ اب آپ یہ فرمائیں کہ ان کا یہ اخلاق یہودی کے ساتھ۔ ہم لوگ مومن کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کر سکتے۔ کھانا سامنے رکھا ہے۔ نہیں کھاتے فرمایا کہ فلاں جگہ میرا چاہنے والا بھوکا ہے۔ میں کیونکر اس امر کو پسند کر سکتا ہوں کہ لوگ مجھے امیر المومنین کہیں اور میں ان کے دکھ درد میں شریک نہ ہو سکوں۔

وہ یہودی کہتا ہے کہ جب انہوں نے ساری چیزیں خرید دیں اور میں رخصت ہونے لگا تو رخصت کے وقت میں نے اسلام قبول کیا۔ اپنے اخلاق سے گرویدہ بناؤ نہ کہ کلام سے۔ میں رخصت ہو کر اپنے گھر کام کاج میں لگ گیا۔ مگر دل ملاقات کا خواہاں رہتا۔ جب آج میں ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ ان کو شہید کر دیا گیا۔ میں اس لئے روتا ہوں مجھے بتایا گیا کہ سجدے کی حالت

میں سر مبارک پر ضرب لگائی ہے۔ معلوم ہے ضرب کیسی تھی ابن ملجم کہتا ہے کہ میں نے ایک ہزار درہم میں تلوار خریدی۔ اور ایک ہزار درہم میں زہر خریدا اس میں تلوار کو بجھایا تھا۔ فضا میں آواز گونجی جبرائیل علیہ السلام کی علی علیہ السلام قتل کر دیئے گئے۔ اسی طرح جبرائیل امین نے عاشور کے دن بھی آواز دی تھی کہ حسین علیہ السلام شہید کر دیئے گئے۔ اس وقت میرے سامنے بہت سے چہرے آگئے ہیں جو شگافتہ ہوئے تھے۔ میں نے پڑھا کر پیغمبرؐ کا سر بھی شگافتہ ہو گیا تھا۔ حسین علیہ السلام کا جوان بیٹا علی اکبر۔ اسکا بھی سر شگافتہ ہوا۔ قمر بنی ہاشم جناب ابو الفضل العباسؑ۔ امیر المومنینؑ کے سر میں ضربیں ضرور لگائی گئی تھیں۔ سر شگافتہ ہو گیا۔ خون بہا حتیٰ کہ مصلےٰ بھی خون میں تر ہو گیا تھا۔ مگر اتنی بات یاد رہے۔ امیر المومنینؑ بھوکے نہیں تھے۔ پیاسے نہیں تھے۔ مگر ہائے عباس تین دن سے بھوکے پیاسے تھے۔ ویسعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

مجلس آٹھویں

الله لا اله الا هو الحی القیوم لا تاخذه سنته و لا نوم له ما فی السموات و ما فی الارض۔

یہ واقع ہے کہ جو حق تھا وہ ادا نہیں ہوا معلوم ہے کربلا میں کتنی مائیں تھیں۔ نو مائیں تھیں۔ معلوم ہے کتنی ماؤں کی جھولیاں خالی ہو گئی تھیں۔ میں نے کوشش بڑی کی کچھ پڑھنے کی مگر آپ یقین مانئے ہم حق ادا نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہم سے حق ادا ہو سکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو ہم کر سکتے ہیں مجلس میں بیٹھ کر رو لیں گے۔ گلیوں میں، بازاروں میں، کوچوں میں ہم نہیں رو سکتے۔ مگر ہمارا بیمار امامؑ گلیوں میں، بازاروں میں، کوچوں میں روتا تھا۔ جدھر سے آپ گذرتے تھے۔ اگر کسی نیزے پر نظر پڑ گئی تو رو دیئے۔ کسی نے پوچھا تو آپ نے فرمایا اس نیزے کو دیکھ کر مجھے وہ نیزہ یاد آ گیا جس پر بابا کا سر نسب کیا گیا تھا۔

یہ سمجھ لیجئے کون کون رو رہا ہے۔ ہمارا اور آپ کا امامؑ آج کس عالم میں ہے۔ کربلا میں آ رہے ہیں۔ یہ قافلہ کربلا میں آ رہا ہے۔ کدھر سے۔ شام سے۔ یہ صرف زینبؑ کی خواہش ہے۔ ہمیں مدینے کربلا کے راستے سے لے جایا جائے۔ اس لئے کہ ہم جی بھر کر رو بھی نہیں سکے۔ دیکھئے کل کربلا میں زینبؑ کس لئے آ رہی ہے۔ صرف رونے کے لئے۔ فقط رونے کے لئے۔

الحاصل۔ یہ تیار ہو جانا چاہئے اسیروں کے قافلے کے استقبال کے لئے۔ یہ معلوم ہے آپ کو اس عزا خانے کی آج آخری مجلس ہے۔ لا اکراہ فی الدین۔ دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔ میں نے کسی مجلس میں اشارہ کیا تھا کہ دین سے مراد کیا ہے۔ دو مرحلے ہیں۔ ایک ہے مرحلہ نبوت۔ ایک مرحلہ امامت۔

مرحلہ نبوت میں تقیہ نہیں ہے۔ کس چیز میں صرف نبوت میں۔ یعنی نبیؑ اپنی نبوت کو چھپا نہیں سکتا چاہے کچھ ہو جائے۔ چاہے آرے سے دو کر دو۔ مگر تقیہ کر کے اپنے آپ کو بچائے یہ نہیں ہو سکتا۔ اعلان نبوت۔ نبوت کا اعلان ضروری اور لازمی ہے۔ وہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نبیؑ نہیں ہوں۔ بلکہ نبوت کا اعلان ضروری اور لازمی ہے۔

دیکھئے محبت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ہے محبت زنانی اور ایک محبت مردانی۔ زنانی محبت کیا ہے جس میں خواہش نفسانی کار فرما ہو ہوا و ہوس جلوہ گر ہو۔ وہ ہے زنانی محبت۔ چاہے وہ مردوں ہی میں کیوں نہ ہو۔ مردانہ محبت عقل سے ہے۔ علم و دانش سے ہے۔ عاقلانہ ہے چاہے وہ عورتوں ہی میں کیوں نہ ہو۔ مثال سے سمجھئے۔ بچہ بیمار ہے۔ طبیب دوا دینا چاہتا ہے۔ بچہ ضد کر رہا ہے۔ باپ آیا اس نے بچے کو کھینچ لیا۔ طبیب سے کہا کہ آپ کو خیال نہیں آتا کہ بچہ رو رہا ہے۔ تڑپ رہا ہے اور آپ دوا پلانے پر تلے بیٹھے ہیں۔ تو یہ محبت زنانی۔ اور اگر آئے پکڑ لیا اسے اور کہا پلایئے دوا۔ اور دوا پلا دی تو یہ محبت مردانی ہے۔ ایک مرتبہ ہاتھ کاٹنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ آپریشن کی نوبت آ جاتی ہے۔ جسم میں زہر پھیل جانے کا خطرہ ہے۔ مگر وہ کہتا ہے میں تو ہاتھ نہیں کٹواؤں گا۔ تو یہ ہے زنانی محبت۔ اور اگر اس نے ہاتھ کٹوا لیا تو یہ ہے مردانی محبت۔

الحاصل چونکہ نبیؑ کو امت سے مردانی محبت ہے یعنی وہ اس لئے آیا ہے کہ وہ خواب غفلت سے۔ خواب گمراہی سے جگا دے۔ جیسے جاگے۔ اسے تو اسے جگانا ہے۔ اگر سخت کلامی سے تو سخت کلامی سے۔ اگر ڈانٹنا پڑے تو ڈانٹے گا۔ اگر ایسا شخص ہے جس کی گمراہی سے اندیشہ ہے دوسرے کے گمراہ ہونے کا تو اسے قتل کرے گا۔ تاکہ گمراہ نہ ہو۔ اگر اخراج کرنے میں ضرورت اس کی ہے کہ اسے نکال دے تو وہ نکال دے گا۔ یعنی اگر اندیشہ ہے کہ اس کے نہ

نکالنے سے لوگ گمراہ ہوں گے تو وہ اسے نکال دے گا۔ یہ اخلاق کے خلاف نہیں ہے۔ یہ مردانہ محبت ہے۔ نبیؐ مرحلہ نبوت میں تقیہ نہیں کر سکتا۔ نبیؐ شریعت کا لانے والا ہے۔ محافظ ہے۔ وہ ہے مبلغ شریعت اور امام ہے محافظ شریعت اور ہم ہیں تابعین۔ معصومؑ نے فرمایا کہ شیعہ ہمارے متابعت کرنے والے ہیں۔ تابعین ہیں۔

الحاصل پیغمبرؐ یہ مبلغ ہوئے شریعت کو پہنچا دے۔ اور امام اس کی حفاظت کرے۔ شریعت کو مٹنے نہ دے۔ جس طرح سے جیسے حفاظت ہو سکے امام کرے گا۔ اس کا فریضہ ہے نبوت و شریعت کی حفاظت۔ دونوں راستے دکھادئے۔ امام کا کام تو حفاظت ہے۔ نبوت و شریعت کی۔ اب اگر کوئی زبردستی۔ قہر و غلبے سے اس کی جگہ بیٹھ جاتا ہے۔ تو اگر امام یہ سمجھتا ہے کہ میرے تلوار اٹھانے سے تو اندیشہ ہے نبوت اور شریعت کے ختم ہونے کا۔ یہ زبردستی بیٹھ گیا۔ اگر تلوار اٹھائی تو یہ سب کے سب جدھر سے آئے ہیں ادھر واپس چلے جاہیں گے۔ تو نہ نبوت رہے گی۔ نہ شریعت۔ تو وہ تلوار نہیں اٹھائے گا۔ تو اب کیا کرے گا حفاظت ضروری ہے۔ تو امام خاموش ہو جائے گا۔ بیٹھ جائے گا۔ اس کا فریضہ ہے نبوت و شریعت کی حفاظت۔ اب جہاں وہ سمجھتا ہے کہ تلوار اٹھانے کی ضرورت ہے۔ بغیر اس کے نبوت اور شریعت کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔ وہاں وہ خاموش نہیں بیٹھے گا۔ تلوار اٹھائے گا۔ یعنی اس کا وظیفہ ہے حفاظت جس طرح چاہے کرے گا۔ یہ بات نہیں کہ کیوں بیٹھ گئے۔ جس طرح سے۔ اگر صلح کے طریقے سے۔ اگر جنگ سے تو جنگ کرے گا۔ جس طرح سے بھی۔ امام حسینؑ عاشور کے دن تشریف لاتے ہیں۔ اس وقت آپ کو پرسہ بھی دینا ہے۔ امام زین العابدینؑ تشریف لا رہے ہیں۔ آج میں فضائل پڑھنے کو تیار نہیں ہوں۔ آپ میرے قلب کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ میں یہاں بیٹھا ہوں۔ مگر قلب میرا

کربلا میں ہے۔کیسے کیسے مناظر میرے سامنے ہیں۔ آج عالم کی زبان پر سب طرف سے حسینؑ، حسینؑ۔ پیغمبرؐ کی زبان پر حسین حسین۔ امیرالمومنینؑ کی زبان پر حسین حسین۔ لیکن خود حسینؑ کی زبان پر زینبؑ، زینبؑ ہے۔ زینبؑ کی زبان پر حسینؑ ہے۔ لیکن حسینؑ کی زبان پر زینبؑ ہے۔ زینبؑ نے شہادت عظمیٰ کی تکمیل کی ہے۔ زینبؑ جس کا جو وظیفہ تھا کرتی رہی۔ بیمار امام کی تیمارداری۔ بچوں کی دیکھ بھال۔ بیبیوں کو تسلی و تشفی۔ یہ زینبؑ کا کام تھا۔ مگر جب ضرورت پڑی تو زینبؑ نکلی خیمے سے۔ جب بھائی نے واپس کیا تو واپس ہو گئیں۔

زینبؑ کا احسان ہے امت مسلمہ پر۔ کربلا میں چار مواقع ایسے آئے۔ حسینؑ پر کہ احتضار کی حالت طاری ہو گئی۔ قریب تھا کہ روح جسم سے پرواز کر جائے۔ زینبؑ نے پہنچ کر حسینؑ کی توجہ ہٹا دی۔ جب ضرورت پڑی زینبؑ باہر آ گئی۔ ایک روایت ہے۔ جہاں زینبؑ نے دیکھا کہ میرے بھائی کو وہاں خارجی مشہور کر دیا گیا۔ ہے۔ وہاں زینبؑ نے کیا کیا۔ مظلومیت کی انتہا ہے۔ آپ کے پیش نظر ہو گا۔ آپ ماں کے پیٹ سے سنتے آئے ہیں۔ کہ امام تھوڑی دیر کے بعد میدان میں آ جاتے۔ کبھی عمامہ رسولؐ پہن کر۔ کبھی عبائے رسولؐ پہن کر اور خطبہ دیتے کہ انا ابن رسول اللہؐ۔ میں رسولؐ کا بیٹا ہوں۔ انا ابن فاطمہ زہراؑ۔ میں فاطمہ زہراؑ کا بیٹا ہوں۔ میں علیؑ کا فرزند ہوں۔ شب عاشور آپ نے قدیم موذن کو بلایا اور کہا کہ صبح تم اذان نہ دینا۔ میرا بیٹا علی اکبر اذان دے گا۔ کیوں وہ شبیہ پیغمبرؐ ہے۔ کبھی ردائے رسول پہن کر کبھی شبیہ رسول دکھا کر لوگوں کو بتایا۔ کیوں۔ آپ سمجھے؟ بار بار آپ اپنا نسب نامہ بیان فرما رہے ہیں۔ یوم عاشور کبھی حبیب کو بھیجا۔ کبھی زہیر کو بھیجا۔ کبھی خود آپ آئے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی سوکھی

زبان بھی دکھاتے۔ اور کہا کہ مجھے پہچانو۔ کیوں مجھے قتل کر رہے ہو۔ کہ شدت عطش سے حسین اپنی زبان دکھاتے تھے۔ اور کہتے تھے انا ابن ساقی کوثر۔ اور پیاسہ شہید کیا جا رہا ہوں۔ مظلومیت انتہا کو حسینؑ کی پہنچ گئی بات یہ ہے کہ یہ مجمع جو حسینؑ سے لڑنے آیا ہے۔ یہ شہرت دے دی گئی ہے کہ یہ نواسہ رسولؐ نہیں یہ خارجی ہے۔ ہائے ہائے۔ یہ بار بار حسینؑ اس لئے اپنے آپ کو پہچنوا رہے تھے۔ یہ شہرت دے دی گئی تھی۔ زینبؑ نے بھی بار بار۔ عالم یہ تھا کہ کوفے کے بازار میں بچے کھیلتے ہوئے ایک دوسرے سے پوچھتے کہ تیرا باپ کربلا میں نہیں گیا۔ وہ پوچھتا وہاں کیا ہے۔ وہ کہتا کہ ایک خارجی نے خروج کیا ہے۔ عورتیں آپس میں یہی کہتیں۔ مرد سب۔ یعنی اتنی شہرت دے دی گئی تھی۔ تو بار بار حسینؑ آتے تھے۔ میں نے ایک روایت دیکھی ہے۔ کہ آپ کا ایک دوست تھا۔ وہ شام گیا ہوا تھا۔ اس کی واپسی کوفے میں اتفاق سے عاشور کے دن ہوئی۔ جب وہ کوفے پہنچا تو لوگوں نے کہا تو کربلا نہیں گیا۔ اس نے کہا کربلا میں کیا ہے لوگوں نے کہا کہ ایک خارجی نے خروج کیا ہے۔ وہ گھر پہنچا تو اس کی بیٹی نے اس سے کہا کہ آپ کربلا نہیں گئے تو اس نے جواب دیا کہ کربلا میں کیا ہے۔ بیٹی نے وہی کہا سب کوفہ خالی ہے۔ لوگ کربلا گئے ہیں۔ اس نے کہا کہ جب میری بیٹی نے مجھ سے یہ کہا تو میں نے سامان سفر رکھا۔ اس کے بعد اس نے کیا کیا کہ تلوار رکھی۔ جب وہ گھر سے نکلنے لگا تو بیٹی نے کہا کہ جب آپ کربلا سے واپس آئیں تو میرے لئے ایک انگوٹھی لے آنا۔ کچھ دور چلا تو دیکھا کہ فوج دارالامارہ سے ٹکرا رہی ہے۔ کسی کے حواس بجا نہیں۔ سب سے پوچھتا ہوں مگر کوئی کچھ نہیں بتاتا۔ میں سب مجمع سے الگ ہٹ کر ایک ٹیلے پر آ گیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک بزرگ گھوڑے پر سوار ہیں۔ چہرے سے خون بہہ رہا ہے۔ ہاتھ میں تلوار۔ یہ حسینؑ کا آخری حملہ تھا۔ لشکر یزید پر۔ میں انہیں

دیکھ کر حیران ہوا۔ سوچا کہ یا الٰہی لوگ تو انہیں خارجی کہتے ہیں۔ مگر یہ برگزیدہ خدا ہیں۔ چہرے سے نور ساطع ہو رہا ہے۔ چہرے سے مظلومیت برس رہی ہے۔ میں یہ سوچ رہا تھا۔ کہ مجمع سامنے سے بھاگا۔ اور وہ بزرگ میرے قریب آئے۔ قریب آکر انہوں نے اپنی انگشت مبارک سے ایک انگوٹھی مجھے دی۔ اور کہا کہ اپنی بیٹی سے میرا سلام کہہ دینا اور یہ انگوٹھی اسے دے دینا۔ اور کہنا کہ وہ خارجی نہیں۔ فاطمہؑ کا بیٹا ہے۔ اجرکم علی اللہ۔ خدا آپ کو کسی غم میں نہ رولائے سوائے غم حسینؑ کے۔ علیؑ کا بیٹا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ سننا تھا کہ میں غش کھا کر زمین پر گرا۔ جب ہوش آیا تو میں نے سوچا کہ آقا سے اجازت لے کر لڑنا چاہئے۔ یہ سوچ کر میں آگے بڑھا۔ تھوری دیر کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ سیاہ آندھیاں چل رہی ہیں اور زمین میں زلزلہ آیا۔ ایک مرتبہ ایک آواز میرے کان میں آئی۔ علی قتل الحسین بکربلا۔ علی ذبح الحسین بکربلا۔ یہ آواز بلند ہوئی اور ذوالجناح نے کیا کیا۔ اپنے منہ کو خون حسینؑ میں رنگیں کرنے کے بعد خیمہ کی طرف چلا۔ ایک مرتبہ زینبؑ نے آواز دی کہ سکینہؑ دیکھ تیرا بابا آگیا۔ سکینہؑ نے ذوالجناح کو دیکھ کر کیا کہا منہ پر طماچے مار کر کہا ہائے میں یتیم ہو گئی میرا باپ مارا گیا

یا حسین یا حسین یا حسین

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

تمت بالخیر